احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماھنامہ

انصار اللہ

ربوہ

جولائی ______ ۱۹۹۵ء

ایڈیٹر ______ نصر اللہ خان ناصر

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

وفا ۱۳۷۴ ہش

جولائی ۱۹۹۵ء

ایڈیٹر

نصر اللہ خاں ناصر

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم
پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقام اشاعت: دفتر انصار اللہ۔
دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

اس ماہ کے شمارہ میں

جلد نمبر — ۳۶
شمارہ نمبر — ۷

شرح چندہ

پاکستان — چالیس روپے سالانہ
قیمت فی پرچہ — چار روپے

اداریہ

محبّت و مواخات اور وحدتِ اقوام کا دلکش منظر

۱۸۹۱ء میں حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے منشائے الٰہی کے مطابق ایک اشتہار دیا کہ احباب جماعت ۲۷ دسمبر کو قادیان جمع ہوں۔ آپ نے اپنی کتاب "آسمانی فیصلہ" میں فرمایا :۔

"تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے۔ اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کیلئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا اگر خدا تعالیٰ چاہے تو کسی برہانِ یقینی کے مشاہدے سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو اور یقینِ کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے۔"

(روحانی خزائن جلد ۴ صـ ۳۵۱)

جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھتے ہوئے حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بنی نوع انسان کو توحید خالص کی طرف بلایا۔ تا وہ اس چشمۂ معرفت سے سیراب ہوں اور اس آسمانی نور سے اپنے دلوں میں محبت کی ایسی شمعیں روشن کریں۔ جو ہر رنگ و نسل کے انسان کیلئے ہدایت کا موجب ہو۔ اور تا ملتِ واحدہ کا حسین اور دلکش منظر ابھرے۔ اور انسان اپنے مقام شرف و اکرام کو شناخت کرے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ جلسہ سالانہ کے مقاصد عالیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں۔ اُن کے دل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں اور اُن کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو۔ اور زہد و تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں ...... اس جلسہ کی ...... بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فوائد اٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے انکی

معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اسکے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں گے"۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۳۳۹-۳۴۰)

۱۸۹۱ء میں جن روحانی اور دینی مقاصد کیلئے ایک عظیم الشان جلسہ کی بنیاد رکھی گئی اور جس کی ابتداء ۷۵ مقدس نفوس کے اکٹھ سے ہوئی اس کے نہایت حیرت انگیز نتائج و ثمرات ظاہر ہوئے اور آج ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے کہ جلسہ سالانہ کا نظام بڑی وسعت اختیار کر گیا ہے۔ وہ جو ایک بیج بویا گیا تھا آج ایک تناور درخت کا روپ اختیار کر چکا ہے۔ جس کی شاخیں تمام دنیا پر محیط ہو چکی ہیں۔ برکات سماویہ کا وہ ایک قطرہ — آج بستی بستی ملک ملک میں بارانِ رحمت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اور مطلع سے ظاہر ہونے والی وہ کرن — آج نیرِ تاباں بن کر ہر اسود و احمر کو روشن کر رہی ہے۔ الغرض یہ روحانی نظام دنیا کے قریہ قریہ ملک ملک تمام بلاد و امصار میں فیض و برکت کا موجب بنا ہوا ہے۔ اور دنیا کی ہر ایک قوم ہر رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے باہم محبت اور مواخات کی لڑی میں پروئے جا رہے ہیں۔ پس یہ اس آسمانی نظام کے اثمار ہیں جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمہ..... پر بنیاد رکھی گئی ہے۔

اب ایسا ہی دینِ حق کے پرستاروں کی اجتماعیت کا ایک دلکش اور روح پرور منظر یورپ کے قلب میں دیکھا جانے والا ہے۔ جو روایات کے مطابق دینی اور روحانی مقاصد کے لئے منعقد ہو رہا ہے اور جو تمام ان برکات کو سمیٹے ہوئے ہے جو اس مقدس اجتماع سے وابستہ ہیں۔ شمعِ توحید کے پروانے کشاں کشاں محو پرواز ہیں۔ اسود و احمر — مشرقی و مغربی — ہر خطہ ہر قوم — اور ہر رنگ و نسل کی اجتماعیت کا کیا خوب روح پرور اور ایمان افروز نظارہ ہوگا۔ ان قدوسیوں کو اپنے امام کے جلو میں ہر آنکھ دیکھے گی۔ زبان کلچر اور رنگ و نسل کے اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سلاماً سلاماً کی کیفیت ہوگی۔ باہم محبت و اخوت کا ایک عجیب منظر ہوگا۔ جو درحقیقت اس آسمانی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔ اور حضرت اقدس کے الفاظ میں یہ کیفیت جلد دیکھنے میں آئے گی:۔

"اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور اس کیلئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی"۔ (مجموعہ اشتہارات)

اللہ تعالیٰ انگلستان میں منعقد ہونے والے اس جلسہ سالانہ کو حسبِ روایات غیر معمولی برکتوں کا موجب بنائے۔ اور اس کا قصد کرنے والے علم و معرفت اور محبت و اخوت سے سرشار اپنے گھروں کو لوٹیں۔ — مبارک وہ جو اس للّٰہی جلسے میں محض دینی اغراض سے شرکت کر رہے ہیں۔ اور جو علم اور یقین و معرفت سے فیض یاب ہونے کی تڑپ رکھتے ہیں۔

امام الکلام

توحید فی الاعمال کا پہلا زینہ!

سیّدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ براہین احمدیہ (ہر چہار حصص) میں فرماتے ہیں:۔

"...... یہ صداقت قدیم سے چلی آتی ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں حقیر اور ذلیل سمجھ کر اپنے کاموں میں اس کا سہارا طلب کرتے ہیں اور اس کے نام سے اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں۔ تو وہ ان کو اپنا سہارا دیتا ہے۔ جب وہ ٹھیک ٹھیک اپنی عاجزی اور عبودیت سے رُوبخدا ہو جاتے ہیں تو اس کی تائیدیں اُن کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ غرض ہر یک کام کے شروع میں اُس مبدءِ فیوض کے نام سے مدد چاہنا کہ جو رحمان اور رحیم ہے ایک نہایت ادب اور عبودیت اور نیستی اور فقر کا طریقہ ہے اور ایسا ضروری طریقہ ہے کہ جس سے توحید فی الاعمال کا پہلا زینہ شروع ہوتا ہے۔ جس کے التزام سے انسان بچوّں کی سی عاجزی اختیار کر کے ان نخوتوں سے پاک ہو جاتا ہے کہ جو دنیا کے مغرور دانشمندوں کے دلوں میں بھری ہوتی ہیں۔ اور پھر اپنی کمزوری اور امدادِ الٰہی پر یقینِ کامل کر کے اس معرفت سے حصّہ پا لیتا ہے کہ جو خالص اہل اللہ کو دی جاتی ہے۔ اور بلاشبہ جس قدر انسان اس طریقہ کو لازم پکڑتا ہے جس قدر اس پر عمل کرنا اپنا فرض ٹھہرا لیتا ہے جس قدر اس کے چھوڑنے میں اپنی ہلاکت دیکھتا ہے اسی قدر اس کی توحید صاف ہوتی ہے۔ اور اسی عجُب اور خود بینی کی آلائشوں سے پاک ہوتا جاتا ہے۔ اور اسی قدر تکلیف اور بناوٹ کی سیاہی اُس کے چہرے پر سے اُٹھ جاتی ہے۔ اور سادگی اور بھولا پن کا نُور اُس کے مُنہ پر چمکنے لگتا ہے۔ پس یہ وہ صداقت ہے کہ جو رفتہ رفتہ انسان کو فنا فی اللہ کے مرتبہ تک پہنچاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دیکھتا ہے کہ میرا کچھ بھی اپنا نہیں بلکہ سب کچھ میں خدا سے پاتا ہوں۔ جہاں کہیں یہ طریق کسی نے اختیار کیا۔ وہیں توحید کی خوشبو پہلی دفعہ میں ہی اس کو پہنچنے لگتی ہے۔ اور دل اور دماغ کا معطّر ہونا شروع ہوتا جاتا ہے۔ بشرطیکہ قوّتِ شامّہ میں کچھ فساد نہ ہو۔ غرض اس صداقت کے التزام میں طالبِ صادق کو اپنے ہیچ اور بے حقیقت ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اور اللہ جلّ شانہٗ کے متصرّف مطلق اور مبدءِ فیوض ہونے پر شہادت دینی پڑتی ہے۔ اور یہ دونوں ایسے اَمر ہیں کہ جو حق کے طالبوں کا مقصود ہے اور مرتبہ فنا کے حاصل کرنے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۲۵-۴۲۶ حاشیہ)

کلام الامام

دعوت الی اللہ کیلئے خدا تعالیٰ کا قرب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں :-

"دوسرے کو اگر خدا کی طرف بلانا ہے تو اس طبعی جذبہ سے مجبور ہو کر بلاؤ کہ گویا تم نے اسے پالیا ہے اور خدا کو پانے کے بعد جو خدا کی طرف بلاتا ہے ۔ اس سے آواز میں ایک اور ہی شان پیدا ہو جاتی ہے ۔ غرض خدا کی طرف بلانے والی آواز اور ہوتی ہے اور خدا کو پالینے کے بعد جو بلانے والی آواز ہوتی ہے وہ اور ہوتی ہے ..... اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو پائے بغیر اس کی طرف کسی کو نہیں بلانا چاہیئے ۔ ورنہ تمہاری آواز جھوٹی اور کھوکھلی ہو جائے گی اور اس میں طاقت نہیں رہے گی ..... پانے والی اور نہ پانے والی آواز میں بڑا فرق ہے ۔

پس ..... اس بات میں حکمتوں کا ایک خزانہ مخفی ہے کہ اسکی طرف بلاؤ اور اسے پانے کے بعد بلاؤ ۔ اس کا ثبوت کیا دیا ۔ فرمایا عَمِلَ صَالِحًا ..... اگر خدا تم نے پایا ہے تو اس کا حسن تم میں بھی تو پیدا ہونا چاہیئے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پالیا ہو اور اس طرح بدصورت اور بدزیب بے حقیقت اور کریہہ المنظر انسان بنے رہو ..... غرض یہ اس بات کا طبعی نتیجہ ہے ۔ یہ بات میں آپ پر کھولنا چاہتا ہوں ۔ کیونکہ خدا کی طرف بلانے والے لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں ہونگے جن کے اعمال گندے ہیں ۔ جن کا کردار گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے اس ذات سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا جس کی طرف بلاتے ہیں ۔ انہوں نے پایا کچھ نہیں ۔ اگر پالیا ہوتا تو خدا تعالیٰ ان کی ذات میں ظاہر ہو جاتا ۔ ان کی ذات میں نظر آنے لگتا ۔ خدا تعالیٰ کو پانے والوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعلان کرتے ہیں ۔

ع　سر سے لے کر پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں

یہ امر واقعہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں تقویٰ سے لیس ہو کر عملِ صالح سے مزین ہونے کے بعد جن لوگوں نے جہاد شروع کیا وہ علم میں بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ خدا تعالیٰ خود ان کو علم عطا فرماتا ہے ......" (اقتباس از خطبہ جمعہ ۱۱ ۔ مارچ ۱۹۸۳ء)

"تعلق باللہ پیدا کریں اور اسکے اظہار کے طور پر ایک ہو جائیں تب آپ میں وہ عظمت پیدا ہوگی جسکے نتیجہ میں آپکی نصائح میں ایسی قوت آجائیگی کہ دوسرا اسکا انکار نہیں کر سکے گا ۔ اپنے دلوں کو خدا کی تخت گاہ بنالو تو تم دیکھوگے کہ غیروں کیلئے احمدیت کے دامن میں آئے بغیر چارہ نہیں رہے گا ۔ وہ تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے آئیں گے ۔" (اقتباس از خطبہ ۱۲ ۔ نومبر ۱۹۸۷ء)

عربی منظوم کلام

مَاشَاهَدَتْ عَيْنِيْ كَمِثْلِكَ مُحْسِنًا

يَا مَنْ أَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْآلَاءِ ❖ نُثْنِيْ عَلَيْكَ وَلَيْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے (اپنی) نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تعریف کی طاقت نہیں ہے

أُنْظُرْ إِلَيَّ بِرَحْمَةٍ وَعُطُوْفَةٍ ❖ يَامَلْجَئِيْ يَا كَاشِفَ الْغَمَّاءِ

مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر، اے میری پناہ! اے حزن و کرب کو دور فرمانے والے

أَنْتَ الْمَلَاذُ وَأَنْتَ كَهْفُ نُفُوْسِنَا ❖ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَبَعْدَ فَنَاءِ

تُو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہ گاہ ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی

أَنْتَ الْمُرَادُ وَأَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِيْ ❖ وَعَلَيْكَ كُلُّ تَوَكُّلِيْ وَرَجَائِيْ

تُو ہی مراد ہے اور تُو ہی مری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے

أَعْطَيْتَنِيْ كَأْسَ الْمَحَبَّةِ رَيِّقَهَا ❖ فَشَرِبْتُ رَوْحَاءً عَلٰى رَوْحَاءِ

تُو نے مجھے محبت کی بہترین مے کا ساغر عطا کیا ہے تو میں نے جام پر جام پیا۔

إِنِّيْ أَمُوْتُ وَلَا يَمُوْتُ مَحَبَّتِيْ ❖ يُدْرٰى بِذِكْرِكَ فِي التُّرَابِ نِدَائِيْ

مَیں تو مر جاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائیگی۔

مَاشَاهَدَتْ عَيْنِيْ كَمِثْلِكَ مُحْسِنًا ❖ يَا وَاسِعَ الْمَعْرُوْفِ ذَاالنَّعْمَاءِ

میری آنکھ نے تجھ سا (کوئی) محسن نہیں دیکھا۔ اے احسانات میں وسعت پیدا کرنے والے اور اے نعمتوں والے!

(روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۶۸)

فارسی منظوم کلام

ہست جامِ عشقِ اُو آبِ حیاتِ لازوال

نفسِ خود را بستۂ دنیا مدار اے ہوشمند ✤ ورنہ تلخی ہا بہ بینی وقت انفاسِ پسیں

اے عقلمند! اپنے نفس کو دنیا کا قیدی مت بنا ورنہ مرنے کے وقت بہت سختیاں برداشت کرے گا

دل مدہ الّا بدلبرے کہ حُسنش دائم است ✤ تا سُرورِ دائمی یابی زِ خیر المحسنین

اس معشوق کے سوا جس کا حُسن لازوال ہے اور کسی کو دل نہ دے تاکہ تو دائمی خوشی خدائے محسن سے حاصل کرے

آں خرد مند یکہ اُو دیوانۂ راہش بود ✤ ہوشیار ے آنکہ مست روئے آں یارِ حسیں

وہ آدمی عقلمند ہے جو اس کی راہ میں دیوانہ ہے اور وہ شخص ہوشیار ہے جو اس حسین یار کے چہرہ کا گم دیدہ ہے

ہست جامِ عشقِ اُو آبِ حیاتِ لازوال ✤ ہر کہ نوشید است اُو، ہرگز نمیرد بعد زیں

اس کے عشق کا جام لازوال آبِ حیات ہے جس نے اسے پی لیا وہ ہرگز نہیں مرے گا

اے برادر دل منہ در دولتِ دنیائے دُوں ✤ زہرِ خونریز ست در ہر قطرۂ ایں انگبیں

اے بھائی اس ذلیل دنیا کی دولت سے دل نہ لگا۔ اس شہد کے ہر قطرہ میں زہر ہلاہل موجود ہے

تا توانی جہد کُن از بہرِ دیں با جان و مال ✤ تا زِ ربّ العرش یابی خلعتِ صد آفریں

جب تک تجھ سے ممکن ہے اپنے جان و مال سے دین کے لئے کوشش کر تا عرش کے رب سے خوشنودی کا خلعت حاصل کرے

از عمل ثابت کُن آں نُورے کہ در ایمانِ تُست ✤ دل چو دادی یُوسفے را، راہِ کنعاں را گزیں

اس نور کو جو تیرے ایمان میں ہے اپنے عمل سے ثابت کر جب تو نے یوسف کو دل دے دیا تو کنعان کا رستہ بھی اختیار کر

(روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۵)

تاریخ وسیرت

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب

ایک عظیم فلسفی مفکرؒ اور بلند پایہ صاحب طرز مصنفؒ

محترم بشیر احمد صاحب زاہد۔ راولپنڈی

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ..... کے حرم اوّل سے بڑے صاحبزادہ تھے۔ ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت اقدس ..... اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت میں سرشار، عبادات و ریاضات میں مصروف، قرآن کریم اور دینی کتب کے مطالعہ میں منہمک تھے۔ دنیوی مصروفیات سے الگ تھلگ رہتے اور دین حق کے لئے اپنے دل میں غیر معمولی درد رکھتے تھے۔ اس ماحول میں حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی زندگی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ آپ کی زندگی کے اس خاص پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے ایک بہائی دوست مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔

> جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے والد بزرگوار ابتدا ہی سے دنیاوی بکھیڑوں سے الگ تھلگ اور یادالٰہی میں مصروف اور ذکر و شغل خصوصاً مذہبی فکر و مطالعہ کے دلدادہ تھے۔ جیساکہ آپ اپنی ایک فارسی مثنوی میں فضیلتِ اسلام کے بیان میں کہتے ہیں:

بہر مذہبی غور کردم بسی ؛ شنیدم بدل حجت ہر کسی
بخواندم ز ہر ملتی دفتری ؛ بدیدم ز ہر قوم دانشوری
ہم از کودکی سوئے ایں تاختم ؛ دریں شغل خود را بیند اختم!
جوانی ہمہ اندریں باختم ؛ دل از غیر ایں کار پرداختم!
بماندم دریں غم زمانے دراز ؛ نخفتم ز فکرش شبانے دراز
چوں اسلام دینی قوی و متین ؛ ندیدم کہ ہر منبعش آفرین

(براہین احمدیہ حصہ اوّل صفحہ ۸۵ بحوالہ نیرنگ خیال صفحہ ۱۳ مئی و جون ۱۹۳۴ء)

(ترجمہ: ۱۔ میں نے ہر مذہب پر خوب غور کیا اور ہر شخص کی دلیل کو توجہ سے سنا۔

۲۔ مَیں نے ہر ایک مذہب کی بہت سی کتابیں پڑھیں اور ہر قوم کے عقلمند دیکھے۔

۳۔ بچپن سے ہی مَیں نے اس راہ کی طرف توجہ کی اور اپنے تئیں اسی شغل میں ڈال دیا۔

۴۔ اپنی جوانی بھی مَیں نے اسی راہ میں خرچ کی اور دل کو اور کاموں سے فارغ کر دیا۔

۵۔ مَیں ایک لمبا عرصہ اسی غم میں مبتلا رہا اور اس بات کی فکر میں راتوں نہیں سویا۔

۶۔ مَیں نے اسلام کے مانند قوی اور مضبوط دین اور کوئی نہیں پایا۔ اس کے منبع پر آفرین ہو۔

آپ کی تعلیم اور ملازمت:۔

حضرت مرزا غلام قادر صاحب نے مشرقی طریق پر حضرت صاحبزادہ صاحب کی ابتدائی تعلیم کا گھر پر ہی بندوبست کیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے پرائمری تک سکول کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ جس کے بعد آپ دہلی چلے گئے تھے۔ جہاں آپ کچھ عرصہ تعلیمی مشاغل میں لگے رہے اور پھر کچھ وقت کے لئے دیوبند میں بھی حصولِ تعلیم کے لئے مقیم رہے۔ جہاں سے نکل کر آپ سرکاری نوکری میں چلے گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب نے پٹوادگری سے ملازمت شروع کی تھی۔ جس سے ترقی کر کے آپ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور افسر خزانہ بنے اور کچھ مدت کے لئے قائمقام ڈپٹی کمشنر کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے اور بعد میں پنجاب کے بعض اضلاع میں بحیثیت افسر محکمہ بندوبست بھی تعینات رہے اور ریاست بہاول پور میں مشیر مال یعنی ریونیو منسٹر کے عہدہ پر متقرر ہوئے۔

حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ..... سے عقیدت و محبّت:۔

ہر چند کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو بچپن سے ہی بعض مخصوص حالات اور ملازمت کی مجبوریوں کی وجہ سے اپنے والد ماجد کی بابرکت خدمت وصحبت میں رہ کر وہ روحانی فیوض و برکات حاصل نہ ہو سکے تھے۔ جو آپ کے بھائیوں نے بافراغت حاصل کئے تھے۔ مگر پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ان کو زندگی بھر حضرت اقدس ..... سے اک گونہ عقیدت و محبت رہی تھی۔ اور وہ ہمیشہ ہی دل و جان سے یہ یقین رکھتے تھے۔ کہ آپ اپنے جملہ دعاوی میں سچے اور برحق ہیں۔

اس بارے میں آپ کی زندگی کی چند جھلکیاں پیش ہیں۔

۱۔ سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ..... ۱۱۔ مئی ۱۸۸۴ء کو نواب علی محمد صاحب آف جھجر کو لکھتے ہیں:

کہ جب صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب نے تحصیل داری کا امتحان دیا تھا۔ تو انہوں نے آپ کی خدمت میں کامیابی کے لئے بذریعہ خط دعا کی درخواست کی۔ جس پر آپ نے فرمایا:۔

"مجھ کو وہ خط پڑھ کر سخت غصہ آیا کہ اس شخص کو دنیا کے بارے میں کس قدر ہمّ وغم ہے۔ چنانچہ اس عاجز نے وہ خط پڑھتے ہی تمام تر نفرت و کراہت چاک کر دیا۔ اور دل میں کہا کہ ایک دنیوی غرض اپنے مالک کے سامنے کیا پیش کروں اس خط کے چاک کرتے ہی الہام ہوا کہ "پاس ہو جاوے گا۔"

(الحکم جلد ۳ نمبر ۳۴ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۹ء بحوالہ حیات طیّبہ صـ ۵۵)

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی یہ "درخواست دعا" اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ آپ کو شروع سے ہی اپنے والد ماجد سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ اور آپ اس نشۂ یقین سے سرشار تھے۔ کہ آپ "مستجاب الدعوات" ہیں۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی طویل زندگی گواہ ہے کہ آپ نے "ایک لائق اور سعادت مند بیٹے کی طرح ..... کبھی اپنے والد (ماجد) ..... کے مذہبی مخالفوں کو اپنی زبان و قلم سے ..... ہنسنے کا موقع نہیں دیا۔"

(نیرنگ خیال صـ ۱۵ مئی۔ جون ۱۹۳۴ء)

چنانچہ عین ان دنوں جب آپ کے والد بزرگوار اپنے یار حقیقی کے پاس چلے گئے تھے۔ تو بعض لوگوں نے آپ کو ورغلانا چاہا تو ان دنوں بھی آپ کے خیالات میں کوئی لغزش نہ آئی تھی۔ نیرنگ خیال کا مخالف مضمون نگار لکھتا ہے:۔

"جب مرزا غلام احمد صاحب کی وفات پر بعض لوگوں نے مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق لکھا کہ چونکہ ان کے والد کی وفات ہو چکی ہے۔ اس لئے وہ اپنی سوتیلی ماں یا اپنے سوتیلے بھائیوں سے ایسا اور ویسا سلوک کریں گے۔ تو آپ نے ان اخباری افواہوں کی تردید کی۔ نہ صرف تردید کی بلکہ ایسی افواہوں کے پھیلانے والوں پر افسوس کیا۔ اور اپنی والدہ اور اپنے بھائیوں سے محبت و ہمدردی کا اظہار کیا۔"

(نیرنگ خیال صـ ۱۵ ماہ مئی۔ جون ۱۹۳۴ء)

۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی سیّدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ..... سے عقیدت و محبت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زندگی میں آپ کے لخت جگر حضرت مرزا عزیز احمد صاحب اپنے دادا جان سیّدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی بیعت کر چکے تھے۔ بلکہ ایک مرحلہ پر تو جب حضرت مرزا عزیز احمد صاحب نے کالج لائف میں سٹرائیک میں حصّہ لیا تھا تو حضورؑ ان سے سخت ناراض بھی ہوئے تھے۔ مگر کیا مجال

جو اس سے ان کے والد محترم کے خلوص و محبت کی جبین پر کوئی شکن بھی نمودار ہوئی ہو۔

۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ..... خود راوی ہیں کہ جب میں (۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء کو) مشرف بہ بیعت ہوا تھا۔ تو محترمہ تائی صاحبہ (یعنی بیگم حضرت مرزا غلام قادر صاحب برادر اکبر حضرت مسیح موعود .....) نے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب سے میری شکایت کی تھی۔ جس پر آپ نے فرمایا تھا۔

"اس نے اچھا کیا۔ ہم سے تو اچھا ہی رہے گا۔ نمازیں تو پڑھے گا۔" (الفضل ۹۔ مارچ ۱۹۷۳ء)

۵۔ یہ روایت بھی محترم حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ..... کی ہے کہ جن دنوں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب میانوالی میں افسر مال تھے۔ تو آپ کو مکرم فضل الدین صاحب اور مکرم قاضی نور محمد صاحب دعوت الی اللہ کرتے رہتے تھے اور کہتے کہ حضور کی بیعت کر لی جائے۔ اسی طرح اور دوست بھی تھے جو اس بارے میں والد صاحب کو کہتے تھے۔ مگر آپ کا ان سب کو یہی جواب ہوتا تھا کہ

"میں حضرت والد صاحب یعنی مسیح موعود کو خوب جانتا ہوں۔ وہ بے شک اللہ تعالیٰ کے مرسل اور نبی ہیں۔ مگر میری حالت ایسی نہیں کہ بیعت کو نبھا سکوں اس لئے میں ان کی بیعت نہیں کرتا۔" (الفضل ۲۲۔ شہادت ۱۳۵۳ھ)

۶۔ حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی اپنے والدِ ماجد سے انتہائی محبت و عقیدت کا ایک اور واقعہ یوں ہے۔

حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ... بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود ...... کا وصال ہوا۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب جالندھر میں افسر مال تھے۔ اور اپنے علاقے کا دورہ کر کے .... ہیڈ کوارٹر کی طرف واپس آ رہے تھے۔ کہ زور سے آواز آئی۔ "ماتم پرسی" چنانچہ آپ نے پہلے خیال کیا۔ کہ شاید یہ تائی صاحبہ کی وفات کی خبر ہے۔ مگر بعد میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کو تائی صاحبہ کی وفات کی خبر دینے کی کیا (ضرورت) ہے؟ ہو نہ ہو۔ یہ والدِ بزرگوار کی وفات کی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو خبر دی ہے۔

چنانچہ آپ نے اس یقین کے مطابق ڈپٹی کمشنر صاحب سے رخصت مانگی۔ مگر انہوں نے اس کو آپ کا وہم قرار دیا۔ اور درخواست نامنظور کر دی۔ مگر اسی دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... کی طرف سے آپ کو تار مل گئی۔ اور آپ نے ڈپٹی کمشنر کو بتایا۔ تو وہ سخت حیران ہوا۔ اور .... کہنے لگا۔ "تم بھی ملہم اور تمہارا والد بھی ملہم" (الفضل ۲۲۔ اپریل ۱۹۷۳ء)

۷۔ اسی طرح آپ کی عقیدت و محبت کے بارہ میں حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ..... فرماتے ہیں کہ میں بوجہ بیماری حضرت مسیح موعود ..... کے جنازے میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ جب حضرت والد صاحب مجھے حویلی

کے احاطہ میں ملے ۔ تو فرمایا :-

"میرے تو والد فوت ہو گئے تھے ۔ تمہارے تو دادا اور پیر بھی تھے ۔ مگر تم وفات کے وقت نہیں آئے ۔ تمہیں شرم کرنی چاہیئے تھی ۔" (الفضل ۲۲-اپریل ۱۹۷۳ء)

صاحبزادہ صاحب موصوف مزید فرماتے ہیں کہ

"حضرت والد صاحب نے مجھے اس سے سخت الفاظ پھر کبھی نہ کہے اور نہ کبھی اس واقعہ سے قبل کہے تھے ۔" (ایضاً)

یہ حقائق و واقعات اس امر کا واضح اور پختہ ثبوت ہیں کہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب گو اپنے والد ماجد حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ ..... کی زندگی میں آپ کے بیعت کنندگان میں شامل نہ ہوئے تھے ۔ مگر ان کو آپ کے جملہ دعاوی کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ تھا ۔ بلکہ آپ ان کو ہمیشہ ہی عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔

۸ ۔ آپ کے ذریعہ آسمانی بشارت کا ظہور اور آپکی بیعت :- آپ کے اس تعلق و محبت کا واضح اور پختہ ثبوت یہ ہے کہ گو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے اپنے والد ماجد کی زندگی میں ان کی بیعت نہ کی تھی لیکن سیدنا حضرت مسیح موعود اپنے بعض رؤیا و کشوف کی بناء پر یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک نہ ایک دن آپ ضرور آپ کے حلقۂ بیعت میں آجائیں گے ۔

سیدنا حضرت اقدس ..... اس سلسلے میں اپنے ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"میں نے دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے ۔ سب لباس سر تا پا سیاہ ہے ۔ ایسی گاڑھی سیاہی کہ دیکھی نہیں جاتی ۔ اسی وقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو سلطان احمد کا لباس پہن کر کھڑا ہے ۔ اس وقت میں نے گھر میں مخاطب ہو کر کہا ۔ کہ یہ میرا بیٹا ہے ۔" (تذکرہ صـ ۵۳۲)

اس کشف میں سلطان احمد کا لباس پہنے فرشتہ دیکھنا اور یہ فرمانا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب آپ کی روحانی ابنیّت میں آجائیں گے ۔ اگرچہ یہ رویا آپ کی زندگی میں پورا نہ ہوا ۔ تاہم ماموریں کے ایسے کشوف و رویاء بھی ہوتے ہیں جو ان کی اولاد یا متبعین کے ذریعہ ان کے بعد کے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں ۔ اس الٰہی سنّت کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ..... فرماتے ہیں :-

"بعض رویاء نبی کے اپنے زمانے میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعے سے پورے ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں۔ تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوئے۔"

(تذکرہ صفحہ ۵۶۴)

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ یہ کشف آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کے دورِ امامت میں پورا ہوا۔ جو خوش قسمتی سے آپ کے "فرزند ارجمند" اور "متبع کامل" ہی نہ تھے بلکہ وہ موعود فرزند تھے۔ جن کو الہام الٰہی میں "تین کو چار کرنے والا" قرار دیا گیا تھا۔ پس حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کا اپنے چھوٹے بھائی کے دست مبارک پر بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہونے سے آسمانی بشارت پوری ہوئی۔

؎ حاشیہ: حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی فطرت سعیدہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ غیر معمولی عقیدت و محبت داخل تھی۔ اور ایک طرح سے آپ کی یہ عقیدت بیعت کا رنگ رکھتی تھی۔ چنانچہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

"میری عقیدت حضرت مسیح موعود ..... کے ساتھ نہ صرف اس وقت جبکہ حضرت مسیح موعود ..... نے مسیحیت کا دعویٰ کیا بلکہ ان ایام سے میں یہ عقیدت رکھتا ہوں جبکہ میری عمر بارہ تیرہ برس کی تھی۔ میں تصدیق کرتا ہوں اور صدق دل سے مانتا ہوں۔ میرے والد صاحب .... کی ایسی ہستی عظیم الشان تھی جو (دین) کے واسطے ایک قدرتی انعام تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ ابتدائی واقعات پر روشنی ڈالوں۔ مختصراً میں اب یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے والد صاحب ..... مرزا غلام احمد صاحب کو ایک سچا انسان اور پکا ..... الموسوم مسیح موعود سمجھتا ہوں۔ اور ان کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور میں اپنے آپ کو اس رنگ میں احمدی سمجھتا ہوں۔

آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ کیوں حضرت مولوی نور الدین صاحب یا میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کی یا مولوی محمد علی صاحب کی بیعت نہیں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے کبھی اپنی زندگی میں باوجود اس کے کہ میرے والد صاحب مرحوم میری بعض کمزوریوں کی وجہ سے میرے فائدہ کے لئے مجھ پر ناراض بھی تھے اور میں اب صدق دل سے یہ اعتراف بھی کرتا ہوں کہ ان کی ناراضگی واجبی اور حق تھی۔ باوجود ان کی اس ناراضگی کے کہ میں نے کبھی اخیر تک بھی ان

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ..... نے آپ کی باقاعدہ بیعت کے بارے میں فرمایا:-

"مرزا سلطان احمد صاحب کے آخری عمر میں ہاتھ پاؤں رہ گئے تھے۔ اور وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے۔ کہ ان کے پاؤں آسانی سے حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ہاتھ مجھے پیغام بھیجا کہ میں تو چل نہیں سکتا۔ آپ کسی وقت آکر میری بیعت لے لیں۔ چنانچہ میں اسی دن ان کے پاس چلا گیا۔ اور ان کی بیعت لی۔ ڈاکٹر صاحب ساتھ تھے۔ میں ان کی چارپائی کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور مرزا سلطان احمد صاحب نے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے آگے بڑھا دیا اور اسی طرح کرسی پر بیٹھے ہوئے میں نے ان کی بیعت لی۔"

۹۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... نے سیدنا حضرت مسیح موعود ..... کی حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد پر ایک نظر عنایت اور شفقت کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مرزا غلام قادر صاحب فوت

کے دعاوی اور ان کی صداقت اور سچائی کی نسبت کبھی کوئی مخالفانہ حصہ نہیں لیا جس کے میرے احمدی اور غیر احمدی دوست بخوبی جانتے ہیں۔ جو تقریباً ۳۰ سال سے میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا میری صداقت ہوگی اور بایں حالات کون کہہ سکتا ہے کہ میں اُن کا مخالف یا اُن کے دعاوی کا منکر ہوں۔ جب یہ حالت ہے تو مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتا کہ میں ان کا منکر تھا یا ہوں۔ بیعت کیا چیز ہے ایک یقین اور صداقت کے ساتھ ایک مقدس انسان کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور اس کے ساتھ ہی صدق دل سے خدا کو اس پر شاہد کرنا۔ پس جب اب تک اپنے والد صاحب مرحوم کو سچا مسیح موعود مانتا ہوں۔ اور میرے دل میں ان کی پاکیزگی اور صداقت کی نسبت ایک جو بھر بھی شک اور شبہ نہیں ہوا۔ اور میرا خدا اس پر شاہد ہے۔ میں اس اعلان اور اظہار کو بیعت یقین کرتا ہوں۔"

(ٹریکٹ نمبر ۲ الصُّلحُ خیرٌ۔ ایک دردمند دل کی آواز صـ ۲-۳

از خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ای اے سی ۲۷ دسمبر ۱۹۲۸ء)

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ باقاعدہ بیعت سے پہلے ابتدائی زمانہ سے ہی آپ اپنے آپ کو احمدی اور بیعت میں ہی سمجھتے تھے۔ (ایڈیٹر)

ہوگئے تو آپ کی بھاوج آپ (حضرت مسیح موعود....) کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ میں بے اولاد ہوں۔ میری تسلی کے لئے اپنے بھائی کی جائیداد سلطان احمد کے نام لگوادو۔ حضرت مسیح موعود.... نے ان کی یہ بات مان لی اور وہ جائیداد مرزا سلطان احمد صاحب کے نام لگوادی۔ مرزا سلطان احمد صاحب تو چونکہ ملازم ہوگئے تھے۔ پہلے نائب تحصیلدار ہوئے۔ پھر تحصیلدار ہوئے۔ پھر ای۔ اے سی بنے۔ پھر قائم مقام ڈپٹی کمشنر رہے اور اس طرح خدا کے فضل سے خود انہوں نے بڑی آمدن پیدا کرلی۔ اسلئے انہوں (بھاوج) نے اپنی ساری جائیداد آگے اپنے بھائی مرزا نظام دین صاحب کے سپرد کردی تھی جو حضرت صاحب کے شدید دشمن تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود.... کی جائیداد کھارہی تھی۔ جو کھانا وہ آپ کے لئے بھجواتی تھیں وہ نہایت ادنیٰ اور ذلیل ہوتا تھا"

(الفضل ۱۳- اپریل ۱۹۵۸ء)

لیکن اس سب کے باوجود آپ نے اپنی بھاوج کی بات مان لی اور مرزا سلطان احمد کے نام اپنے بھائی کی ساری جائیداد لگوادی تھی۔

حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؒ کا ایک بلند پایہ مضمون۔ عشق محمدؐ میں گداز ہستی

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے ایک گراں قدر مضمون بعنوان۔ "عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں گداز ہستی"۔ کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ یہ مضمون آپ نے ان دنوں لکھا تھا جب آپ ہنوز حلقہ بگوش احمدیت نہ ہوئے تھے۔ اس لئے اس بارے میں یہ مضمون "حرف آخر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ آپ حضور کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس بلند مقام پر سمجھتے تھے۔ آپ ؎

؎ "بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم" کے بعد رقمطراز ہیں۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کے ساتھ جو عشق و محبت اس ہستی کو تھا۔ میں تو وہ رنگ وہ شیدائیت اپنوں اور بیگانوں۔ مریدوں اور معترضوں میں بہت کم دیکھتا ہوں وہ شان ہی کچھ اور تھی۔ وہ رنگ ہی دوسرا تھا ؎

از اشک مپرسید کہ دروں چہ خروش است ؛ ایں قطرہ ز دریا چہ خبر داشتہ باشد

ترجمہ: آنسو سے مت پوچھو کہ جوش محبت کیا ہے۔ اس قطرہ کو اس محبت کے دریا کی کیا خبر ہے۔

شعر مندرجہ عنوان بھی ایسے ذوق اور مستی عشق رسولؐ کو ظاہر کررہا ہے۔ جو ضمانت ہے اس بات کی کہ ایک بزرگ ہستی کے دل و دماغ میں کیا کچھ محبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں متموّج تھی۔"

"مجھے بلا کسی جنبہ داری کے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ باوجود اس کے کہ اکثر لوگ اس ہستی کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں۔ لیکن سچ یہی ہے کہ کفر کی تعبیر اور حقیقت وہی ہے جو مندرجہ عنوان شعر میں خود اس ہستی نے اپنے دل و دماغ کی کیفیت کو بیان کر دیا ہے۔"

"اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں فنا ہو جانا اور اپنی ہستی کی خواہشات اور دنیا اور اس کے مالوفات اور لذات کو اس ایک ذوق میں گم کر دینا کفر ہے تو دعا کرو کہ ساری دنیا ایسی کافر ہو جائے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"میری آنکھوں نے ان نظاروں کو دیکھا ہے کہ اس مقدس ہستی کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اگر کسی نے سوء ادبی سے لے دیا تو باوجود ہر قسم کے تعلقات رشتہ داری کے آپ نے ان سے تعلق قطع کر لیا۔"

نیز فرماتے ہیں:۔

"وہ لوگ جو اس بزرگ کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں وہ اس شعر کو پڑھیں اور پھر پڑھیں اور پھر سوچیں کہ وہ کیا اعلان کرتا ہے۔ عشق محمد میں اس کی ہستی اور خود فراموشی کی کیفیت اور ملت محمدیہ کی غمخواری کا اندازہ کرو۔ کہ کفر کے فتوے سنتا ہے۔ اور اس مستی میں کیا کہتا ہے؟

کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں ∴ نام کیا کیا غم ملت میں رکھایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم اے میرے پیارے احمدؐ! ∴ تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

پھر مزید لکھتے ہیں:۔

"اپنی عمر کے ابتدائی حصوں میں اس بزرگ ہستی کو پہروں نہیں بلکہ دنوں۔ ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فکر و غور کرتے اور روتے دیکھا۔ جب کسی کی زبان سے اس مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی دل دکھانے والا کلمہ سن پاتے تھے تو ان کے چہرے پر اس وقت جوش محبت سے وہ سماں طاری ہو جاتا تھا کہ جس سے دیکھنے والوں کو پتہ لگ سکتا تھا کہ اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ان کے دل میں کہاں تک غیرت ہے؟"

"غرض جس ہستی کے دل و دماغ میں محبت رسول کا یہ جوش و خروش ہو وہ کس طرح (دین حق) سے خارج ہو سکتی ہے؟ اور کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دل و دماغ میں (دین حق) کی کوئی منزلت نہ تھی۔"

"خیر! ہم تو نہ ملّاں اور نہ مولوی اور نہ مذہبی مباحثوں کے شوقین۔ ہم تو اپنے دل میں دیکھیں گے کہ دنیا کی اس محبوب اور مقرّب ہستی کے دل و دماغ میں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور غیرت کہاں تک تھی۔ اور ہے؟ ہم تو اسی کو معیار (دین حق) اور محکِ ایمان جانتے ہیں۔ جس کے دل میں یہ نہیں جو دماغ اس سے خالی ہے وہ کچھ بھی ہو۔ ہمارے نقطۂ ایمان کی رُو سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"حُبِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے اس ہستی کے دعاوی کو سُنا اور محض اپنی تعبیر و اجتہاد کی بناء پر ایک طوفان کُفر کا اس کے خلاف برپا کیا.... وہ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے۔ اور اگر کوئی اور وجہ نہیں۔ تو اپنے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبّت میں فانی انسان سمجھ کر ہی اپنی روش بدل لیتے۔"

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی یہ تحریرات آپ کے دلی جذبات اور قلبی واردات کی آئینہ دار ہیں۔ اور آپ کی قلم پر وہی کچھ آتا ہے۔ جو آپ کے قلزمِ دل میں باہر آنے کے لئے طوفان بپا کر رہا تھا۔ دیکھئے!

"یورپ کا کوئی مصنّف ہندوستان کا کوئی معمولی مضمون نگار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ تعریف کر دے تو ہماری ارادت اور محبت اس کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھوا دیتی ہے۔ لیکن وہ ہستی جس کا خمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں اٹھا ہوا ہے۔ اور جو کہتا ہے۔

ع ہر تار و پود من بسرایدبعشق او:۔ از خود تہی و از غم آں دلستاں پُرم

(ترجمہ: میرے ہر رگ و ریشہ میں اس کا عشق رچ گیا ہے۔ میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق کے غم سے پُر ہوں)

جس کی زندگی کا ایک ایک لحظہ اور ساعت جس کا دن اور رات اس محبت و عشق میں گذری۔ اور جس کی غیرت محمّدی کے کمالات ہر حصّۂ دنیا میں نظر آتے ہیں وہ ان لوگوں کی نظر میں دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔"

باقی صفحہ پر

نورِ سحر

چل گزر راہِ فنا سے بے خطر ہونے کے بعد
معرکے ہوتے ہیں سر سینہ سپر ہونے کے بعد

کیا ہوا دریا میں گر موجیں قیامت خیز ہیں
پار لگتے ہیں سفینے شور و شر ہونے کے بعد

گریۂ پیہم سے ہوتی ہے رسائی ہر طرف
رنگ لاتی ہے وفا آشفتہ سر ہونے کے بعد

جگمگا دے جلوۂ توحید سے دشتِ جہاں
سرنگوں بیٹھا ہے کیا رشکِ قمر ہونے کے بعد

اُٹھ گلستانِ جہاں میں زمزمہ پرداز ہو
خوابِ غفلت تا بکے نورِ سحر ہونے کے بعد

جوگ لینا یا ادا سا کھینچنا آساں نہیں
آتا ہے دھونی رمانا دربدر ہونے کے بعد

خاک سے کمتر سہی لیکن اے مُصلح کیا عجب
کیمیا بن جاؤں میں اُن کی نظر ہونے کے بعد

——— مولانا مصلح الدین راجیکی

ع　مبارک وہ جو اب ایمان لایا

حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی پاکیزہ سیرت

آپ کا اخلاص و فدائیت، دینی تڑپ اور ایمان افروز روایات

(ایڈیٹر)

(۲)

حضرت مولوی برہان الدین صاحب کو حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ انتہا درجہ کی محبت تھی۔ آپ کی اس محبت میں عشق و فدائیت کا رنگ تھا۔ یہ اخلاص کا رنگ الٰہی عطیہ اور سعادت ہے۔ یہاں آپ کے اخلاص و محبت اور عشق و فدائیت کے چند واقعات دیئے جاتے ہیں جن سے آپ کی دلکش سیرت کی عکاسی ہوتی ہے۔

"او برہانا ایہہ نعمتاں کتھوں!"

سیالکوٹ کا واقعہ ہے جب لیکچر سیالکوٹ کے موقعہ پر ۱۹۰۴ء میں حضرت مولوی بُرہان الدین صاحب اپنے آقا کی زیارت کیلئے سیالکوٹ پہنچ گئے۔ اور پھر حضور کو الوداع کہہ کر اسٹیشن سے واپس لوٹے تو مستری نظام الدین صاحب سیالکوٹی کا بیان ہے کہ

"آپ حضور کو الوداع کہنے کے بعد پیچھے رہ گئے تو بعض شریروں نے آپ کی بے عزتی کی بلکہ پکڑ کر منہ میں گوبر تک ٹھونس دیا۔ لیکن آپ نے نہایت بشاشت کے ساتھ فرمایا۔ "او برہانا ایہہ نعمتاں کتھوں" یعنی اے برہان الدین یہ نعمتیں روز روز کہاں میسر آتی ہیں۔" (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۲۴)

"پا مائے پا"

سیالکوٹ کے قیام کا ہی ایک اور عاشقانہ رنگ رکھنے والا واقعہ مستری نظام الدین صاحب سیالکوٹی یوں بیان کرتے ہیں:

"حضرت اقدس اپنے خدام کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ کسی عورت نے کھڑکی سے حضور پر راکھ ڈالی، حضور گذر گئے مگر راکھ مولوی صاحب کے سر پر پڑی آپ پر محویت طاری ہو گئی اور نہایت خوشی سے فرمانے لگے "پا اے مائے پا" یعنی بڑھیا اور راکھ ڈالو۔" (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۲۴)

حضرت مولوی صاحب کے خادمانہ رنگ کی ایک جھلک :-

حضرت مولوی صاحب کے دل میں خدمت کا جذبہ بے انتہا تھا۔ اور اپنے آقا کی خدمت میں جنون کی کیفیت پائی جاتی تھی۔ بیعت کے بعد آپ ہر سال قادیان تشریف لے جاتے تو حضور فرمایا کرتے۔

"مولوی صاحب آپ کے آنے سے مجھے آرام ملتا ہے"۔

حضرت اقدس جب سیر کر کے واپس گھر کی طرف آتے تو آپ آگے بڑھ کر حضور کی نعلین مبارک اپنی کندھے والی چادر سے صاف کر دیتے"۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم ص۴۲۳)

خدمتِ دین کی تڑپ :-

آپ کے دل میں اشاعت دین کی بڑی تڑپ تھی۔ ہر وقت اس کام میں مصروف رہتے پھر بھی یہ خلش رہتی کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ کے اس جذبہ اور تڑپ کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر حضرت مصلح موعود ؓ کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے۔

"ایک دفعہ حضرت مسیح موعود..... (البیت) میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ رُوحانی معارف بیان فرما رہے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الاول، حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور دوسرے دوست بھی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی برہان الدین صاحب نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ حضرت مسیح موعود... نے پوچھا مولوی صاحب کیا بات ہے لیکن آپ جتنا پوچھتے آپ اتنا ہی زیادہ زور سے رونے لگ جاتے۔ آخر بار بار پوچھنے اور تسلی دلانے پر مولوی برہان الدین صاحب نے کہا۔ حضور لوگ اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ مسیح آئے گا دنیا میں روحانی معارف لٹائے گا اور ہم اس پہ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔ ہم ان امیدوں کے ساتھ انتظار میں بیٹھے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم ہر قسم کی قربانیاں کر کے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں گے۔ خدا تعالیٰ کا مسیح آ گیا۔ اس نے مجھے ایمان لانے کی توفیق عطا فرما دی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ (دین) کے لئے قربان کر سکوں۔ حالانکہ وہ غریب ہی اس لئے ہوئے تھے کہ وہ احمدی ہو گئے تھے۔ پھر کہنے لگے کہ ہم سنا کرتے تھے کہ مسیح آئے گا اور خزانے لٹائے گا۔ آپ نے خوب خزانے لٹائے مگر میں تو پھر

بھی جھنڈو کا جھنڈو ہی رہا..... یعنی میں پھر بھی ناکام کا ناکام رہا۔ یہ کہہ کر وہ چیخیں مار مار کر رونے لگ گئے۔"

(الفضل ۱۷۔ دسمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵-۶)

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ یعنی مومنوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے قربانیاں کیں اور انتہا درجہ کی قربانیاں کیں اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو پالیا۔ اور کچھ ایسے ہیں جو قربانیاں کر رہے ہیں۔"

(ایضاً)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب..... نے بھی اس ایمان افروز واقعہ کو نظم کیا ہے جس میں علاوہ اس واقعہ کے حضرت مولوی صاحب کی سیرت کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت مولوی برہان الدین جہلمی

ایک تھے جہلم میں رہتے مولوی برہان الدیں ❊ جو حواری ابتدائی حضرت احمد کے تھے[1]

ایک دن جب سیر سے حضرت ہوئے واپس تو وہ ❊ احمدیہ چوک میں یوں آپ سے کہنے لگے

اپنی حالت ہے عجب کمزور۔ اے میرے حضور ❊ احمدی بن کر بھی ہم جھنڈو کے جھنڈو ہی رہے[2]

کہہ کے پنجابی میں یہ الفاظ پھر وہ رو دئے ❊ حضرت مہدی علیہ السلام تسلی اُن کی گو کرتے رہے

تھے اگرچہ سلسلہ کے سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن ❊ پر ہمیشہ وہ ترقی کے رہے پیچھے پڑے

وحیِ حق نے ان کو "شہتیر" جماعت تھا کہا[3] ❊ پھر بھی اپنے حال پر نادم تھے حیران تھے

جائے عبرت ہے کہ مجھ سا بے عمل اور نابکار ❊ جو کہے کچھ اور کرے کچھ۔ مطمئن پھر بھی رہے

اُن کو تھی ہر دم تڑپ۔ قربِ الٰہی کی لگی ❊ اور ہم بستر میں لیٹے۔ کروٹیں ہی لے رہے

آگ تھی دل میں۔ نہ تھا اُن کو کہیں آرام و چین ❊ جان جائے حق کی راہ میں۔ بس یہی تھے چاہتے

"اے خدا بر تربتِ اُو ابرِ رحمت ہا ببار" ❊ آنکہ بود از جان و دل۔ قربان رُوئے دلبرے

مرحبا کیسے تھے احمد کے یہ (....) کبار ❊ احمدیت کے لئے سب کچھ ہی قرباں کر گئے

جنت الفردوس میں اعلیٰ مدارج ہوں نصیب ❊ حق تعالیٰ ان سے خوش ہو مغفرت اُنکی کرے

(بخارِ دل صفحہ ۱۶۷)

---

[1] مولوی صاحب ۱۸۸۶ء سے پہلے کے تعلق رکھنے والے تھے [2] قریباً اصل الفاظ [3] دو شہتیروں کے ٹوٹنے کا الہام ان کے اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کیلئے مشہور ہے

خادم اپنے آقا کی نگاہ میں: حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کی نگاہ میں حضرت مولوی صاحب کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اور آپ کے اخلاص اور محبت سے تسلی پاتے تھے۔ آپ کے ذکر پر ایک مرتبہ فرمایا:۔

"وہ اوّل ہی اوّل ہوشیارپور میں میرے پاس گئے۔ ان کی طبیعت میں حق کے لئے ایک سوزش اور جلن تھی۔ مجھ سے قرآن شریف پڑھا۔ بائیس برس سے میرے پاس آتے تھے۔ صوفیانہ مذاق تھا۔ جہاں فقراء کو دیکھتے وہیں چلے جاتے۔ میرے ساتھ بڑی محبت رکھتے تھے۔"

(الحکم ۷۔ جنوری ۱۹۰۹ء بحوالہ الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۷۱ء)

حضرت مسیح موعود ــــ نے اپنی تصنیف ضمیمہ انجام آتھم میں اپنے بعض (رفقاء) اور ان کی مالی قربانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں حضرت مولوی برہان الدین صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

"میاں عبداللہ صاحب سنوری اور مولوی برہان الدین صاحب جہلمی اور مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور قاضی ضیاء الدین صاحب قاضی کوٹی اور منشی چوہدری نبی بخش صاحب بٹالہ ضلع گورداسپور اور منشی جلال الدین صاحب وغیرہ احباب اپنی اپنی طاقت کے موافق خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۴)

حضرت مسیح موعود ــــ نے ایک درخواست لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کو لکھی۔ حضور نے اس میں اپنے مختصر حالات لکھے اور اس کے آخر میں اپنی جماعت کے ممبروں کے نام لکھے۔ اس فہرست میں حضرت مولوی صاحب کا نام بھی لکھا۔

"۶۸۔ مولوی برہان الدین صاحب گکھڑ جہلم" کتاب البریہ (روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۰)

اسی طرح ڈاکٹر مارٹن کلارک کے مقدمہ میں حضور کے ایک الہام کہ مخالف کو ذلت اور رسوائی ہوگی کے گواہ کے طور پر تبلیغ رسالت جلد ہفتم میں ذکر فرمایا کہ

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کی پاکیزہ صحبت اور فیض و برکت سے حضرت مولوی صاحب کے اندر فنا اور للّٰہیت کا رنگ تھا۔ دنیاداری کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ آپ نہایت سادہ منکسر المزاج اور متوکل بزرگ تھے۔ زبردست مخالفت اور دو بارہ املاک کے نقصان کے صبر و استقلال کی عمدہ مثال قائم کی۔

حضرت مولوی صاحب کے بارہ میں بعض روایات

حضرت مولوی برہان الدین صاحب ..... کو اپنے آقا مسیح دوراں کی جو صحبت نصیب ہوئی اس کے آثار میں آپ کی بعض روایات درج ذیل ہیں۔ جو آپ کے ایک شاگرد مولوی مہر الدین صاحب (رفیق بانی سلسلہ احمدیہ) چک ۹ پنیار (سرگودھا) نے قادیان میں قلمبند کرائیں۔

حضرت مولوی صاحب کی راہنمائی میں - قادیان جاکر بیعت کی سعادت پانا:-

"میں لالہ موسیٰ سے جہلم سودا خریدنے جایا کرتا تھا۔ میں ریلوے گارڈ روم میں ملازم تھا۔ جس کی وجہ سے میں گوشت سبزی۔ ڈبل روٹی وغیرہ خریدنے کے لئے روزانہ لالہ موسیٰ سے جہلم جایا کرتا تھا۔ اور قرآن شریف کا ترجمہ اور صرف نحو ان سے پڑھا کرتا تھا۔ ہر روز سبق لے کر واپس آتا اور گاڑی میں ہی سبق یاد کر لیا کرتا تھا۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق آپ سے دریافت کیا کہ مجھے بھی کچھ بتلائیں۔ آپ نے فرمایا۔ میاں کسی زمیندار کو کہہ دیں کہ یہ روپیہ کھرا ہے تو وہ اپنے پلّے باندھ لیتا ہے۔ میرے جیسے کو دیں تو وہ پرے جاکر پتھر پہ مار کر دیکھتا ہے۔ تم خود جاکر دیکھو پھر ایمان لانا۔ پھر میں ان سے رخصت لے کر قادیان پہنچا تو مولوی برہان الدین صاحب بھی یہاں آئے ہوئے تھے۔ تاریخ یاد نہیں۔ مگر یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کے پورا ہونے میں دو دن باقی تھے۔ مولوی حکیم فضل دین صاحب نے عرض کیا کہ حضور مہر الدین کی بیعت لے لیں۔ حضور ...... نے فرمایا ابھی نہیں۔ حکیم صاحب نے اصرار کیا کہ حضور پھر مصروف ہو جائیں گے۔ ابھی بیعت لے لیں۔ مولوی برہان الدین صاحب نے کہا کہ حضور ...... جس طرح فرماتے ہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس دفعہ میں بغیر بیعت کرنے کے واپس چلا گیا اور چار پانچ ماہ کے بعد اگست ۱۸۹۵ء میں دوبارہ آکر بیعت کی۔ اس کے بعد میں عبد قادیان آکر پڑھا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود ...... نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ اپنے گاؤں کے لوگوں کو دعوت طعام دوں اور ساتھ ہی روحانی دعوت بھی دوں اور لوگوں کو میرے دعویٰ کے متعلق سمجھانے کے لئے حضرت مولوی نور الدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو مقرر کیا جاوے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ میں نے عرض کی کہ حضور نے عید کے خطبہ کے لئے مولوی محمد احسن صاحب کو مقرر کیا تھا۔ تو علمی رنگ

میں خطبہ پڑھا تھا۔ جس سے عوام الناس کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اس لئے اس مرتبہ آپ مولوی برہان الدین صاحب کو عام لوگوں کے سمجھانے کے لئے مقرر فرمائیں۔ کیونکہ وہ پنجابی میں تقریر کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا بہت اچھا۔ ایسا ہی کیا جاوے گا۔ چنانچہ مولوی برہان الدین صاحب نے تقریر کی اور بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔"

ایک حافظ صاحب کا لاجواب ہونا:۔

ایک روز مولوی برہان الدین صاحب جہلم میں ایک کُتب فروش کی دکان پر کھڑے تھے اور ایک غیر احمدی حافظ سے آپ نے السلام علیکم کی۔ حافظ صاحب نے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور کہا کہ مولوی صاحب آپ مرزا صاحب کے ساتھ ہو گئے ہیں اور وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ اس لئے ہم آپ کا سلام قبول نہیں کرتے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب کون سی آیت کے خلاف حضرت مرزا صاحب کا عمل ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ آیت لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ...... الخ کے خلاف مرزا صاحب نے اس طرح کہا ہے کہ انہوں نے لوگوں کے معبودوں کو گالیاں دے کر سچے معبود کو گالیاں نکلوائی ہیں۔ اور آپ ان کے ساتھ ہیں۔ اس لئے ہم سلام آپ سے نہیں کر سکتے۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ حافظ صاحب کوئی ایسی آیت نکالو جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو۔ کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو بُرا نہ کہو۔ حافظ صاحب لاجواب ہو گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو کافر مشرک جہنمی وغیرہ کہا ہے۔

"وہ قادیان آجائیں ان کے آنے سے مجھے آرام ملتا ہے"

پھر ایک مرتبہ میں قادیان آیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مولوی برہان الدین صاحب کو کہنا کہ وہ قادیان آجائیں۔ اُن کے آنے سے مجھے آرام ملتا ہے۔ کیونکہ وہ میرے ساتھ کام کرتے ہیں۔ کتابوں کا پروف دیکھتے ہیں۔ اگر وہ کچھ خرچ کا عذر کریں۔ تو کہہ دینا کہ خرچ ہم دے دیں گے۔ میں نے مولوی صاحب سے جا کر عرض کیا تو وہ قادیان پہنچ گئے۔

حضرت مولوی صاحب کے سامنے آنے سے انکار:۔

ایک دفعہ گجرات کا ایک مولوی محمد تھا۔ وہ گجرات میں امام مسجد تھے۔ انہوں نے ایک شخص میاں چراغ دین کو کہا کہ میں قرآن سے ثابت کروں گا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔ اس نے مولوی برہان الدین صاحب کو لکھا کہ آپ گجرات تشریف لائیں۔ مولوی صاحب راستہ میں میرے پاس لالہ موسیٰ میں ٹھہرے۔ میں نے سفر کے متعلق پوچھا تو آپ نے جواب دیا۔ کہ

مولوی محمد گجراتی کہتے ہیں کہ وہ قرآن سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں۔ واپسی پر پھر آپ لالہ موسیٰ میں ٹھہرے۔ میں نے پوچھا گجرات میں کیا فیصلہ ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے رقعہ بھیج دیا تھا۔ کہ وقت مقرر کر کے مولوی صاحب ثبوت پیش کریں۔ میاں چراغ دین صاحب رقعہ لے کر گئے تو مولوی محمد نے کہا کہ مولوی برہان الدین .... (کا) علم میرے برابر نہیں ہے۔ اس لئے میں مباحثہ نہیں کر سکتا۔ میں نے ان کو لکھ بھیجا کہ مقابل پر کمزور پہلوان ہو تو تمہاری فتح آسان ہوگی۔ تمہیں اس مقابلہ سے کیوں گریز ہے، اور اس علم کا نام لو جو تم نے پڑھا ہے اور میں نے نہیں پڑھا۔ جب یہ رقعہ مولوی صاحب کے پاس پہنچا تو پھر اس نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ میرے استاد ہیں۔ اس لئے میں ادب کی وجہ سے ان سے بحث نہیں کر سکتا۔ اس پر لوگوں نے اُن کو امامت سے الگ کر کے مسجد سے نکال دیا۔

ایک مولوی صاحب کا حیات مسیح پر مباحثہ سے گریز:۔

ایک آدمی نے لاہور سے اشتہار دیا (اس کا نام یاد نہیں) کہ مولوی نور الدین صاحب ..... اور مولوی برہان الدین صاحب ..... دونوں میرے مقابل پر آئیں تو میں قرآن سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ثابت کر دوں۔ وہ اشتہار میری نظر سے گزرا تو میں نے جہلم جا کر مولوی صاحب سے عرض کیا۔ کہ اس قسم کا اشتہار لاہور سے شائع ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس بات کا کچھ علم نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو لاہور سے ایک خط ملا۔ جو کسی احمدی کی طرف سے تھا۔ کہ آپ لاہور آکر اس مولوی سے مناظرہ کریں۔ مگر سفر خرچ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے خط تو ملا ہے۔ لیکن کرایہ ساتھ نہیں پہنچا۔ میں نے اپنے پاس سے آپ کو کرایہ آمد و رفت ادا کر دیا۔ جس پر آپ لاہور تشریف لے گئے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے میں نے دریافت کیا کہ اس مناظرے کا کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں وہاں گیا تو ایک آدمی کو میں نے ایک رقعہ لکھ کر دیا۔ کہ میں بحث کے لئے حاضر ہوں۔ آپ وقت مقرر کریں۔ مگر ساتھ ہی اس آدمی کو یہ کہا کہ پہلے میرے رقعہ کا ذکر نہ کریں۔ بلکہ مولوی صاحب کو کہنا کہ اگر دونوں احمدی مولویوں سے کوئی آجاتا تو آپ مباحثہ کر لیتے۔ کوئی لڑائی تو تھی نہیں۔ جب وہ کہہ دے کہ ہاں ہم ایک سے ہی گفتگو کر لیتے اس پر میرا رقعہ دے دینا۔ جب وہ تبادلہ خیال پر آمادہ ہوا تو وہ رقعہ ان کو دیا گیا۔ جس پر فوراً مولوی صاحب نے کہہ دیا۔ کہ مجھے ایک ماتم پرسی کے لئے ضروری وزیر آباد جانا ہے۔ وہاں سے واپسی پر میں مناظرہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا کہ اتنے روز سے تم بحث پر زور دے رہے تھے، مرنے والا کبھی سے وزیر آباد میں مر گیا ہوگا۔ اب اگر آپ بحث کے بعد جاویں تو کیا نقصان ہے، مگر وہ انکار پر مُصر رہا اور سامنے نہ آیا۔

ایک دلچسپ بحث ـــ صداقت کی شہادتیں :-

مَیں ایک روز حسب معمول جہلم سبق کے لئے مولوی صاحب کے ہاں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ڈپٹی راجہ جہاں داد خاں کی کوٹھی پر گئے ہوئے ہیں۔ مَیں ..... ڈپٹی صاحب کی کوٹھی پر پہنچا۔ دروازے پر ان کا نوکر کھڑا تھا۔ مَیں نے اس سے کہا کہ اندر جو لال داڑھی والا انسان (مولوی برہان الدین صاحب) بیٹھا ہے۔ اس کو جا کر کہہ دو مہرالدین لالہ موسیٰ والا سلام علیکم عرض کرتا ہے۔ جواب میں آپ نے پیغام بھیجا کہ اس کو اندر آنے دو۔ مَیں نے وہاں پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ راجہ جہاں داد خاں نے کہا کہ یہ بھی احمدی ہے؟ مَیں نے کہا ہاں ..... مولوی صاحب نے فرمایا کہ کیا گاڑی میں کچھ وقت ہے۔ مَیں نے عرض کی پندرہ منٹ ہیں۔ راجہ صاحب نے کہا کہ آج تم نہ جاؤ۔ یہاں ہی رہ جاؤ۔ مَیں نے کہا۔ وجود وقف کر دیا ہوا ہے۔ اس لئے مَیں رہ نہیں سکتا۔ اس جگہ پر ایک سیّد صاحب بھی تھے جو کہ حضرت مسیح موعود کے متعلق مولوی صاحب سے مناظرہ کر رہے تھے۔ اور راجہ پنڈے خاں صاحب دارا پوری بھی موجود تھے۔ سیّد صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب آپ مرزا صاحب کے فریب میں آگئے ہیں ..... مولوی صاحب نے کہا ..... جب مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کتاب لکھی میں نے اس کتاب کو پڑھا۔ تو مَیں نے خیال کیا کہ یہ شخص آئندہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس لئے مَیں اس کو دیکھ آؤں۔ مَیں ان کو دیکھنے کے لئے قادیان پہنچا تو مجھے علم ہوا کہ آپ ہوشیار پور تشریف لے گئے ہیں۔ مَیں نے کہا۔ بار بار آنا مشکل ہے۔ اس لئے ہوشیار پور جا کر دیکھ آؤں ..... مَیں ہوشیار پور پہنچا۔ پوچھ کر آپ کے مکان پر پہنچا اور دستک دی۔ خادم آیا اور پوچھا کون ہو۔ مَیں نے کہا برہان الدین جہلم سے حضرت مرزا صاحب کو ملنے آیا ہے۔ اس نے کہا کہ ٹھہرو مَیں اجازت لے لوں۔ جب وہ پوچھنے کے لئے گیا تو مجھے اس وقت فارسی میں الہام ہوا کہ "جہاں تم نے پہنچنا تھا پہنچ گیا ہے۔ اب یہاں سے نہیں ہٹنا" خادم کو حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ ابھی مجھے فرصت نہیں۔ ان کو کہہ دیں پھر آئیں۔ خادم نے جب یہ مجھے بتلایا۔ تو مَیں نے کہا ..... مَیں یہاں ہی بیٹھتا ہوں۔ جب فرصت ملے گی تب ہی سہی۔ جب خادم یہ کہنے کے لئے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضرت صاحب کو عربی میں الہام ہوا۔ کہ مہمان آوے تو مہمان نوازی کرنی چاہیئے۔ جس پر حضرت صاحب نے خادم کو حکم دیا کہ جلدی سے دروازہ کھول دو۔ مَیں جب حاضر ہوا تو حضور بہت خندہ پیشانی سے مجھے ملے اور فرمایا کہ ابھی مجھے یہ الہام ہوا ہے۔ مَیں نے عرض کی کہ مجھے فارسی میں یہ الہام ہوا ہے۔ کہ اس جگہ سے جانا نہیں۔ مَیں چند دن حضرت کے پاس رہا۔ اور حضرت کے حالات دیکھے کہ تین وقت تک آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ اور نماز کے وقت جلدی سے باہر

باقی صفحہ ۴۰ پر

عکسِ جذبات

جوُد و سخا نہیں تری بیگانے جانتے
تیری نظر کو ہیں ترے دیوانے جانتے

جانے شبستاں لیلا کو شیریں کو قصرِ شیش
ہیں عاشقوں کو کوہ یا ویرانے جانتے

کیا جانے کوئی چاشنی سوز و گداز کی
شمع کے ساتھ ساتھ ہیں پروانے جانتے

بوتے نہ کانٹے عاشقوں کی رہگذر میں کاش!
اُن کی برہنہ پائی کے افسانے جانتے!

مُنہ بولتا ثبوت ہے ربوہ کی سرزمیں
ویرانوں کو بسانا ہیں دیوانے جانتے

یوُں تو جمالِ شمع ہے ہر آنکھ کو عزیز
جل مرنا اُس کے رُخ پہ ہیں پروانے جانتے

لایا کہاں سے ساقیٔ نَو بادۂ کُہن؟
نظروں سے پینے والے ہیں دیوانے جانتے

اسلامؔ بادہ نوش ہے اِس دَور کا عجیب
جس کو نہ ہیں پیمانے نہ میخانے جانتے

عبدالسلام اسلامؔ

ناقابلِ فراموش

قبول حق کی ایک ——
ایمان افروز داستان

ماخوذ از سیرت و سوانح حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

تیرھویں صدی ہجری میں عیسائیت کی زبردست یلغار نے دنیا کے اکثر ممالک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا مسیحی مناد اور مشنری ڈاکٹرز اپنی حکومت کے زیر سایہ صلیبی عقیدہ کا پرچار کر رہے تھے۔ برصغیر ہندوستان ان دنوں عیسائیت کا ہدف بنا ہوا تھا۔ اس مضمون میں قبول حق کی ایک ایمان افروز داستان حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی تحریر سے لی گئی ہے۔ کہ کس طرح پنجاب کے ایک قصبہ ڈنگہ ضلع گجرات سے عیسائیت کے طلسم کا شکار ہونے والے ایک نوجوان محمد دین کو ہدایت نصیب ہوئی۔

"..... تیرھویں صدی کے متعلق کچھ ایسی روایات اور حالات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ ان کے خیال سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے اور بدن پر رعشہ طاری ہونے لگتا ہے۔ ان احوال کا تصوّر اتنا ...... اور روح فرسا ہوتا ہے کہ خدا کے فضل کی امید اور اس کی تائید و نصرت کا سہارا نہ ہوتا تو روحانی دنیا کا تو گویا خاتمہ ہی تھا۔

تیرھویں صدی کا آخری نصف گویا خدا کی جگہ شیطان کی حکومت کا زمانہ اور کفر و شرک، گناہ و فسق، عیاری و مکّاری اور روحانی فساد کا زمانہ تھا۔ دہریت کا غلبہ، مادیت کا زور، اور بے دینی کا چرچا تھا۔ شیطانی طاقتیں اپنے سارے لاؤ لشکر سمیت حق کو مٹانے روحانیت کو دبانے اور صداقت کو دفنا دینے پر تلی ہوئی تھیں۔ دجّال کا ظہور ہو کر تسلّط پاتا جا رہا تھا۔ ہر جگہ اڈے قائم کر کے بندوں کو خدا سے پھیرنے کے سامان جمع کئے جاتے۔ مشن کھول کر دانہ بکھیر کر ایسے جال بچھائے جاتے کہ بھولے بھالے نوجوان آسانی سے ان کا شکار ہو کر متاع ایمان تک سے محروم ہو جاتے۔ ان کے پادری، ان کے مناد اپنے رنگ میں کام کرتے تو عورتیں اپنے طریق پر۔ سکولوں میں ماسٹر تو ہسپتالوں میں ڈاکٹر۔ کہیں نرسیں تو کہیں (NUNS) تھیں۔ غرض ہر سو چار دانگ عالم میں انہی کا شہرہ، انہی کا چرچا اور انہی کا غلبہ نظر آتا تھا۔ کوئی شہر ان سے خالی تھا نہ کوئی قصبہ باقی۔ بلکہ قریہ بہ قریہ اور دیہہ بہ دیہہ یہ صیاد اپنے شکار کی تاک میں رہا کرتے۔ کہیں یہ شکار کے پیچھے تو کہیں شکار ان کے پیچھے پھرتے۔ کیونکہ دنیا کے کئی دکھوں کا درماں ان کے ہاں اور کئی بیماریوں کی دوا اس زمانہ میں انہی کے پاس ملا کرتی تھی۔

عیسائیت کا اثر نفوذ:۔ ڈنگہ نامی ایک چھوٹا سا قصبہ ضلع گجرات (پنجاب) میں واقع ہے۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے جو عموماً زراعت پیشہ مزدوری پیشہ اور مفلوک الحال، غربت زدہ لوگ تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اراضیات زیادہ تر بارانی و بنجر تھیں۔ نہر کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دوسرے بڑے بڑے شہروں اور قصبات و دیہات کی طرح یہ مقام بھی پادریوں مناد کی خاص توجہات کا مرکز بنا ہوا تھا اور لوگ چونکہ اس دور کی تہذیب و اخلاق اور تعلیم و مذاق سے بے بہرہ اور کورے تھے۔ لہٰذا عیسائی مشن اور چرچ ان کو مہذب و با اخلاق بنانے، زیور تعلیم سے آراستہ کر کے با مذاق بنانے کی غرض سے وہاں پہنچا۔ مشن قائم ہوا۔ سکول جاری کیا۔ ہسپتال کھولا۔ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و وصیت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہوتے ہوتے اس کا سکہ جم گیا۔ کام چل نکلا۔ نوجوان طبقہ پر ڈورے ڈالے جانے لگے۔ کوئی دقیقہ حصول مقصد کا اٹھا نہ رکھا گیا۔ سارے ذرائع اور تمام وسائل پوری عقلمندی سے استعمال کئے جاتے رہے اور اس طرح اندر ہی اندر نئی پود پر گویا ان کا اب قبضہ و تصرف ہو گیا۔ نوجوانوں کو ایسی کچھ چاٹ لگی کہ خود بخود کھچے چلے آتے۔ بے بلائے جمع رہتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ روکے نہ رکتے نہ ہٹائے ہٹتے۔ "جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے"۔ ایک پارٹی بن گئی جس نے والدین اور رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کر لیا مگر پادری صاحبان کی کوٹھی، گھر یا مکان و بیٹھک کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ کئی نے والدین کو کھلے نوٹس دے دیئے۔ کئی چپکے سے گھروں کو چھوڑ وہیں پہنچ گئے جہاں منادوں نے اشارہ کیا۔ بڑے بڑے معزز گھرانے بگڑنے لگے۔ کہیں لڑکوں کی خرابی کا رونا تھا تو کہیں لڑکیوں کے بگڑنے کا۔ غرض ایک طوفان تھا جس کی زد میں کئی شریف گھرانوں کی عزت و ناموس کے تابوت بہتے اور ڈوبتے دکھائی دے رہے تھے۔ سید، مغل، پٹھان، شیخ کا استثناء تھا نہ امیر و غریب کا۔ کئی گھرانے میرے علم میں ہیں۔ اور کئی نام میرے سامنے ہیں مگر میں اس وقت صرف ایک دو ہی کا ذکر کرتا ہوں۔

نوجوانوں کا عیسائیت قبول کرنا:۔ صوبیدار سردار امام بخش کے گھرانے میں بھی سیندھ لگی۔ نہایت ہی خفیہ رنگ میں، نامعلوم راہوں سے یہ وجالی کوبرا ان کے خاندان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ شاہنواز کا پوتا، علی محمد کا اکلوتا احمد دین بھی ڈس لیا گیا۔ زہر تیز تھا ایسا کہ اس کے اتر جانے کی کوئی امید ہی نہیں تھی۔ بیمار جاں بلب اور منٹوں ہی کا مہمان تھا۔ قافلہ تمام زنجیریں توڑ، روکیں اٹھا، رخت سفر باندھ کر کسی جانب بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور اس گھرانے کے جل کر تودہ خاک ہو جانے میں کسر اب صرف ایک دیا سلائی دکھانے ہی کی رہ گئی تھی۔ خدا نے رحم کیا۔ کوئی نیکی آڑے آئی۔ کسی کے ہاتھ کا دیا کام

آیا - احمد دین نے راز فاش کر دیا۔ سازش کا انکشاف ہوگیا جس کے نتیجہ میں یہ خود بھی بچا اور کئی ساتھیوں کے بھی بچاؤ کا موجب بنا۔ اگرچہ اکثر بدنصیب اب بھی نہ بچ سکے اور نکل ہی گئے۔

اس خاندان میں احمدیت پہنچ چکی تھی۔ کاسر الصلیب مسیحائے زماں کے نام کا سایہ اور علم کلام کا چرچا تھا۔ صوبیدار صاحب کے صاحبزادے شیخ مولا بخش صاحب بیعت و ایمان کے زیور سے آراستہ ہو کر دار الامان سے روحانی رشتہ جوڑ چکے تھے۔ اور یگانے بیگانوں کو اس نور سے منور کرنے اور اس چشمہ شیریں پر لانے میں ساعی و کوشاں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس زہر کا تریاق کہاں ملتا ہے۔ اور ایسے روحانی مریضوں کو جام شفا کس جگہ سے میسر آسکتا ہے۔ اس سازش کا بھانڈا پھوٹتے ہی انہوں نے اپنے عزیز کو اس مکدر فضا اور مسموم آب و ہوا سے نکال کر دار الامان پہنچایا۔ جہاں پہنچتے ہی زہر اُترنے لگا۔ بیمار چنگا ہوتا گیا۔ اور خدا کا فضل ہے کہ آج تک زندہ سلامت نور ایمان سے منور اسی در کا گدا دھونی رمائے پڑا ہے۔ اللہ کرے عاقبت بھی محمود ہو۔ آمین

ایک نوجوان محمد دین۔ عیسائیت کے چنگل میں :-

اسی محلّہ میں بلکہ اسی کوچہ میں سردار صاحب کے زیر سایہ ایک شخص عبد اللہ نام قوم مراثی اور پیشہ کے پٹواری کا بیٹا محمد دین نام بھی اس مرض میں مبتلا اور اسی صیاد کا صید ہو کر عیسائیت کے گڑھ گوجرانوالہ پہنچایا جا چکا تھا۔ محمد دین میں قوت دافع کی بجائے قبولیت کی استعداد اور جذب کا مادہ غالب تھا۔ اس نے عیسائیت کا اثر قبول کیا۔ اور ایسا گہرا رنگ پکڑا کہ جس کا اُترجانا کچھ آسان نہ تھا۔ والدین اور بھائی بہنوں سے جدا ہو کر وہ ایسا غائب ہوا کہ کچھ عرصہ تو پتہ ہی نہ چلا کہ گیا کہاں اور کدھر۔ مدت بعد جب اس کی خبر ملی تو اس کی حقیقی ماں جو اس کے فراق میں بے قرار، اس کی جدائی سے بے چین، رات دن رونے دھونے میں بسر کیا کرتی تھی مامتا سے مجبور، غیرت کے مارے مسلمانی کے نام اور ناموس کے بچانے کی نیت سے کمر ہمت باندھ نیت سادھ کر کھڑی ہوئی۔

خاوند سے بصد منّت اجازت لے کر گوجرانوالہ پہنچی۔ جہاں اس کا لختِ جگر اور نورِ نظر نہ معلوم کتنے پردوں اور سخت اوٹوں کے پیچھے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ہمت، اس کا اصرار، اس کا استقلال، حصولِ مقصد میں اس کا معاون بنا۔ اس کے دل میں امتا اور مامتا کے ساتھ ایک درد تھا، تڑپ تھی اور سچی خواہش زبان صاف تھی۔ اور مافی الضمیر کے بیان پر قادر جس سے سنگدل صیاد بھی موم ہوگئے اور اس طرح وہ مدت سے بچھڑے ہوئے بیٹے کو ملنے میں کامیاب ہوگئی۔

درد ہجر و فراق سے چور، فلاکت زدہ اور محزون، ایک حقیقی ماں اور بیٹے کی ملاقات کا منظر ہر آنکھ

دیکھ اور ہر دل محسوس کر سکتا ہے۔ جس نے آغوشِ مادر کی لذت چکھی اور اس کی محبت و لطف سے حصہ پایا ہو۔ ان تفاصیل کو چھوڑتا اور قصہ مختصر کرتا ہوں۔ ماں نے دل کھول کر بھڑاس نکالی۔ گویا کلیجہ نکال کر بیٹے کے سامنے رکھ دیا اور انتہائی کوشش کی، سارا زور لگایا۔ کوئی طریق نہ چھوڑا بیٹے کو سمجھانے اور اس کا دل نرم کرنے کا۔ مگر بے سود۔ یہ وہ نشہ ہی نہ تھا جسے ترشی اتار دے۔ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد.... ناچار دل کو تھامے یوں تسلی دیتی ہوئی بولی۔ اچھا زندہ رہو۔ پھر ملوں گی۔ ملنے کی راہ تو کھل گئی۔

ماں کا مسلسل رابطہ:۔

یہ ملاقات ہوئی اور گو بے نتیجہ نکل گئی۔ مگر وہ مردانہ ہمت مایوس ہوئی نہ تھکی۔ بلکہ اس کے دل میں امید کی ایک جھلک اور کامیابی کی ایک شعاع پیدا ہو گئی۔ اور وہ بجائے اداس و ناشاد واپس جانے کے ایک خوشی اور امید بھرا دل لے کر واپس ہوئی۔ گھر پہنچی۔ حال احوال بیان دیا۔ مگر گھر اسے کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس کی دلچسپی کی ایک ہی چیز تھی مگر گھر اس سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ ناچار کچھ عرصہ بعد تھوڑا وقفہ دے کر وہ پھر وہیں پہنچی جہاں اس کی آنکھ کا تارا اور دل کا سہارا قیدِ فرنگ میں اسیر و محبوس ایک آزاد زندگی بسر کر رہا تھا۔ گو نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات اور امید وہی موہوم تھی محمد دین اپنی جگہ سے ایک اپنچ بھی نہ سرکا بلکہ اور زیادہ سخت اور سیاہ دل ہو کر ہدایت سے دور اور کفر سے بھرپور ہو چکا تھا۔ اس کے حیا کی چادر پھٹ کر پارہ پارہ اور زبان کی قینچی اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اور اس طرح اس کی ماں اگرچہ اب کے بھی بظاہر ناکام اور بے نیل و مرام واپس ہوئی مگر اس کے دل میں ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ پُر امید تھی۔

پھیلاں (فضل بی بی۔ فضل بیگم یا فضل النساء) خود ایک سیدھی سادی مسلمان، نماز روزہ کی پابند عورت تھی۔ ملکی رواج کے مطابق کچی پکی اور میٹھی روٹی کتابیں اس نے سُنی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی قادیان کا نام اور سیدنا حضرت مسیح موعود..... کا پیغام بھی شیخ مولا بخش صاحب کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچ چکا تھا۔ شیخ احمد دین صاحب کے قادیان پہنچ کر دجالی فتنہ سے محفوظ ہو جانے کا چرچا بھی وہ سُن چکی تھی۔ نیز دوڑ دھوپ اور کوشش کے علاوہ دعا کا نسخہ بھی اس کو مل چکا تھا۔ خدا، اس کے رسول اور اپنے دین یعنی اسلام کے لئے اس کے دل میں ایک غیرت اور حمیت موجود تھی۔ وہ اپنی نمازوں میں رو رو کر دعائیں کرتی اور خدا سے مدد مانگنے میں مصروف رہنے لگی۔

بیٹے پر بیماری کا حملہ:۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ خدا نے اس کی سُن لی۔ اس کی آہ و زاری

اور اضطرار پر رحم کیا اور ایسے سامان پیدا کر دیئے جن سے "پھیلاں" کے مقصد کے حصول کی راہیں کھل گئیں۔ اس کے دل کی آگ نے بخار بن کر محمد دین پر حملہ کیا۔ اس کی قلبی جلن اور سوزش پہلے محرقہ بن کر اسے جلاتی رہی اور آخر سل اور دق کی صورت میں اس پر مسلط ہو گئی۔ علاج معالجے اور ڈاکٹری تدابیر بیکار رہیں اور جب حالت نازک سے نازک تر ہو گئی تو مجبور ہو کر محمد دین کی ماں کو اطلاع دی گئی۔ وہ پہنچی اور لڑکے کو نیم جان پایا۔ منت خوشامد کر کے اپنے لڑکے کو گھر لے جانے کی اجازت حاصل کی جس کے لئے مشن پہلے ہی تیار اور کسی بہانہ کی انتظار میں تھا۔ عورت کے سر احسان رکھا اور محمد دین کی گویا لاش ہی اس کے حوالے کی۔ جس کو لے کر وہ گھر پہنچی۔ علاج معالجہ اور مقدور بھر اس کی خدمت کی۔ جس سے وہ کچھ سنبھلا اور مرض میں بھی افاقہ ہوا۔ جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اس کی ماں نے شیخ مولا بخش صاحب کے پاس اس کے نشست و برخاست کا انتظام کیا۔ جہاں سلسلہ بحث مباحثہ اور سوال و جواب ہوا کرتے۔ مرض اس کے دونوں سخت تھے۔ جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ جسمانی مرض کا وقفہ عارضی اور وقتی تھا تو روحانی بیماری اس درجہ تک ترقی کر چکی تھی کہ شیخ صاحب کے بس کی بات نہیں تھی۔ حالات کا مطالعہ کر کے شیخ صاحب نے "پھیلاں" کو یہی مشورہ دیا کہ جس طرح ہو سکے لڑکے کو لے کر قادیان پہنچے۔ جہاں روحانی اور جسمانی دونوں امراض کے مکمل علاج کے اللہ کریم نے سامان مہیا فرما رکھے ہیں۔

قادیان روانگی۔ مسیح دوراں کے قدموں میں:۔

عورت کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ ذات برادری گلی محلے بلکہ شہر بھر میں وہ منہ چھپائے پھرتی اور ذلت، بدنامی اور رسوائی کے خیال سے گھر سے نکلتی ہی کم تھی۔ شیخ صاحب کا مشورہ اس کے دل لگا۔ بات سمجھ میں آ گئی اور اس نے سفر کی تیاری کر کے بیٹے کو علاج کی غرض سے اس سفر کے لئے رضامند کر لیا۔ گاڑی میں بیٹھ، بیٹے سمیت دوسرے ہی دن بٹالہ اور وہاں سے بذریعہ یکہ قادیان پہنچ گئے۔ لڑکے کو مہمان خانہ یا مطب میں ٹھہرا کر خود حضرت اقدس کے دولت سرائے میں گئی۔ اور ساری کہانی اپنی زبانی حضرت کے حضور بالتفصیل عرض کر کے چین لیا۔

....

پھیلاں میاں محمد دین کی والدہ کی ہمت میں مردانگی اور حواس میں فرزانگی تھی، بات کرنے کا طریق' مافی الضمیر کے ادا کرنے کی توفیق اس کے رفیق تھے۔ اس طریق اور ایسے رنگ میں اس نے اپنی مصیبت اور درد دل کا اظہار کیا کہ حضرت کو اس کے حال پر رحم آ گیا۔ حضور نے اس کی دلجوئی فرمائی۔ سہارا اور تسلی دی جس سے

اس کو ڈھارس بندھ گئی۔ اور مقصود اسے نزدیک نظر آنے لگا۔ اور اب وہ دھرنا مار دھونی رما کر ہی حضور کے در پہ بیٹھ گئی۔

حضرت نے ان کے قیام و طعام کا انتظام فرمایا۔ جسمانی علاج کے لئے حضرت نور الدین اعظم ..... کو تاکید فرما دی اور روحانی مرض کے استیصال کی طرف حضور نے خود توجہ دینی شروع فرمائی۔ اکثر ظہر کی نماز کے بعد اور پھر شام کی نماز کے بعد دربار لگتا۔ میاں محمد دین کو بلوا لیا جاتا۔ اور ان کو اپنے اعتراض و شبہات پیش کرنے کا موقعہ دیا جاتا جن کے جوابات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود ..... خود دیا کرتے اور میاں محمد دین کو نہایت محبت، نرمی اور توجہ سے حضور سمجھایا کرتے اور ان کے ایک ایک شبہ و اعتراض کا حل فرمایا کرتے۔ اس سلسلہ نے طول پکڑا اور غالباً کئی ماہ تک ناغے اور وقفوں کے ساتھ جاری رہا۔ مگر چند ہی روز میں یہ بات کھل گئی کہ محمد دین کی نیت بخیر نہیں اور اس میں طلب حق اور تحقیق کی خواہش بھی موجود نہیں۔ وہ کسی مجبوری کے ماتحت محض دفع الوقتی کرتا اور کسی موقعہ کی تاک میں رہتا ہے۔ ایک بات کے متعلق وہ خود اقرار کرتا ہے کہ حل ہو گئی مگر دوسرے وقت اسی پر اَڑ بیٹھتا۔ صبح کو تسلیم کرتا، مان لیتا اور شام کو انکار، اور انکار پہ اصرار کرنے لگتا۔ بعض اوقات اتنی ضد، ہٹ اور کج بحثی پہ اتر آتا کہ صاف معلوم ہوتا کہ شرارت اور خباثت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مگر حضور مصلحت اور حکمت سے نظر انداز کر کے چشم پوشی فرماتے اور ٹال کر گفتگو روک دیا کرتے۔ اس کے دل کا زنگ اور کفر و انکار کی سیاہی اتنی سخت گہری اور میلی ہو چکی تھی جس کے دور کرنے کے لئے لمبے مجاہدہ، غیر معمولی محنت اور بھاری توجہ کی ضرورت تھی۔ اس کے دل کی زمین اتنی خشک اور ایسی سنگلاخ ہو چکی تھی کہ کوئی دلیل کارگر ہوتی تھی نہ برہان۔ اس کی فطرت کج اور سینہ سیاہ تھا۔ جس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھ جانے کی گنجائش ہی باقی نظر نہ آتی تھی۔ وہ کنویں کی ایک کوری ٹنڈ بن چکا تھا۔ جو کبھی اِدھر لڑھک جاتی کبھی اُدھر اور اس طرح اس کے تلوّن کے باعث اس کا کوئی اعتبار ہی نہ رہا تھا۔

رُوحانی اور جسمانی علاج :-

روحانی مرض کی طرح اس کے جسمانی مرض کا بھی یہی حال تھا۔ اس میں بھی اتار چڑھاؤ کا غیر متناہی سلسلہ اور مد و جزر رہا کرتا تھا۔ کبھی تو حالت اس کی سنبھل جاتی۔ اور وہ بھلا چنگا نظر آنے لگتا۔ اور کبھی وہی پہلی حالت عود کر آیا کرتی۔ اور وہ بالکل مُردہ بن کر رہ جاتا اور گھڑی پل کا مہمان نظر آنے لگتا۔ اس کی ماں نہایت ہوشیاری سے اس کی نگرانی رکھتی۔ اور حالات کا مطالعہ کرتی رہتی تھی۔ اس کے تلوّن، کج بحثی اور ضد اور شرارت کے حالات سے متاثر ہو کر وہ گھبرا

جایا کرتی۔ اس کے دل میں خوف وہراس پیدا ہو جاتا کہ مبادا حضرت ناراض ہو کر تنگ آکر اس کی بدنیتی معلوم کر کے ہمیں دھتکار ہی نہ دیں۔ جواب ہی نہ دے دیں۔ اور اکثر چلایا کرتی اور رو دھو کر جہاں بیٹے کو سمجھایا کرتی وہاں وہ حضرت کے حضور بھی بصد منّت و الحاح درخواستیں کرتی، التجائیں کرتی کہ حضور نے خدا کے لئے دستگیری فرمائی ہے۔ محمد دین کی بدزبانی، شرارت اور سختی کو خیال میں نہ لائیں۔ خدا کے واسطے رحم کر کے چشم پوشی فرمائیں درگذر کریں۔ اور اس کے ہاتھ نہ چھوڑیں۔ ”ایک مرتبہ کلمہ پڑھا دیں۔ پھر چاہے مر جائے۔ مجھے اس کا غم نہیں۔ فکر ہے تو یہی کہ کافر نہ مرے۔“

بات دراصل یہ تھی کہ والدہ اس کی اسے علاج کرانے کے وعدے سے لائی تھی اور وہ بھی اسی خیال سے رضامند ہو کر اس کے ہمراہ چلا آیا تھا کہ حضرت مولانا نور الدین اعظم ..... کا نام نامی اور اسم گرامی طبی دنیا کے بلند ترین منار اور شہرت کے عالی مقام پر نمایاں طور سے کندہ ہو چکا تھا۔ ورنہ اگر اسے یہ وہم بھی ہوتا کہ اس کی ماں اس کی روحانی بیماری کے علاج کو مقدم سمجھ کر قادیان لا رہی ہے تو یقیناً وہ موت کو اس پر ترجیح دیتا۔ اور اپنے گھر یا گوجرانوالہ سے باہر ایک قدم بھی نہ اٹھاتا۔ کیونکہ حقیقت یہی تھی کہ اس کفر و شرک کا زہر اس کے جسم کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر چکا، اس کے خیالات پر قبضہ و تصرّف پا چکا تھا۔ اور کفارہ مسیح کا خون کچھ ایسا اس کے گوشت پوست میں رچ کر جزو بدن ہو گیا تھا کہ ان چیزوں کا اس کے جسم و جان سے نکالنا یا خیالات سے دُور کرنا قریباً ناممکن ہی ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسے یہ علم ہو گیا کہ اس کی جسمانی بیماری کے علاج کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی امراض کی بیخ کنی کے بھی سامان ہیں اور دلائل اور براہین ایسے قوی، کفر شکن اور لاجواب ہیں جن کے جواب کی اس میں تاب ہے نہ برداشت تو اس نے اس سے بچنے کی کوشش کی۔ کبھی اس نے بیماری کا عذر کر کے مجلس میں آنے سے گریز کیا تو کبھی ضد، کج بحثی اور بدزبانی کر کے بات سننے سے پرہیز کیا۔ پہلو بدلتا رہا۔ موقع ٹال دیا کرتا۔ اور یہاں تک بھی شرارت کرتا کہ بدزبانی گستاخی اور بے ادبی پہ اتر آتا کہ شاید یہی راہ اس کی نجات اور قادیان سے بچاؤ کی ہو جائے۔ حضور ناراض ہو کر نکال دیں۔ یا کوئی طیش میں آکر مار بیٹھے تو غرض پوری اور مدعا حاصل ہو جائے۔

دوسری طرف اس نے خفیہ خفیہ بٹالہ کے عیسائیوں سے جوڑ توڑ اور ساز باز کرنا شروع کر دیا۔ ان کی امداد کی امید پر اور زیادہ دلیر، بے باک اور نڈر ہو کر گستاخی اور شرارت میں بڑھنے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دو تین مرتبہ قادیان سے بھاگ کھڑا ہوا تا بٹالہ پہنچ کر قلعہ بند اور محفوظ ہو جائے۔ مگر اپنی مردانہ ہمت ماں کی ہوشیاری، چستی اور بہادری کی وجہ سے ہر مرتبہ اپنے مقصد میں ناکام اور حیلوں میں نامراد رہا۔

اور کبھی بھی قادیان سے باہر نہ نکل سکا۔

مصلحت الٰہی سے روحانی اور جسمانی دونوں طبیب کامل تھے۔ اس کی لمبی بیماری سے نہ گھبرائے نہ تھکے۔ اس کی بے اعتدالیوں اور بدپرہیزیوں سے۔ اکتائے نہ مایوس ہوئے۔ بلکہ پورے استقلال، تحمل اور ضبط سے اس کے علاج میں لگے رہے۔ گالی گلوچ کی پرواہ کی نہ شرارت و گستاخی کی۔ پورے صبر و چشم پوشی اور درگذر سے کام لے کر اس کے گند دھوتے، ناسور صاف کرتے اور محبت سے مرہم پٹی کرتے رہے نہ کسی طمع کی امید سے، نہ کسی خدمت و سلوک کے خیال اور اجر و جزا کی رجا پر، محض خالصتاً للہ، محض اس کی بھلائی کی نیت اور اس خیال سے کہ شاید چنگا ہو کر خدا کے غضب کی آگ سے نجات پا جائے۔ کفر و شرک کی مار اور نبیوں کی توہین کی لعنت سے بچ سکے۔

پھیلاں، سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود ..... کے حسن و احسان اور عطا و سخا اور اخلاق کریمانہ کو دیکھتی اور اپنے لڑکے کی کرتوتوں کے خیال سے مری جا رہی تھی۔ ندامت اور شرم سے اس کا سر جھکا رہتا اور ہر وقت حضور کی رحمت و شفقت کے گیت گاتی، دعائیں دیتی رہتی تھی۔ اس کی بے قراری و اضطرار دیکھا نہ جاتا تھا۔ جس دلی تڑپ اور منت و سماجت سے وہ عورتوں اور مردوں اپنے اور بیگانوں سے دعاؤں کے لئے التجا کیا کرتی تھی۔ اس کا نقش آج تک دماغ میں قائم اور دل میں موجود ہے۔ اس کی تمنا، اس کی آرزو اور یہی اس کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ "اس کا بیٹا توبہ کرے اور سچے دل سے ایک بار کلمہ پڑھ لے پھر چاہے دوسرے ہی دن مر جائے۔ مرے تو مسلمان ہو کر۔ کافر نہ مرے۔"

محمد دین پڑھا لکھا میٹرک پاس نوجوان تھا۔ قادیان میں رہتے کئی ماہ گذر چکے تھے۔ حضرت نورالدین اعظم .... کے مطب میں اس کی رہائش اور نشست و برخاست تھی۔ جہاں ہر رنگ، ہر مذاق اور ہر مذہب و ملت کے لوگ آیا کرتے۔ امیر غریب کا کوئی امتیاز نہ تھا نہ مسلم غیر مسلم کا۔ ہر قسم کا کھلا درویشانہ دربار تھا۔ جو سبھی کے واسطے یکساں و برابر کھلا رہتا تھا۔ کوئی آتا کوئی جاتا۔ کسی کو روک تھی نہ ٹوک۔ محمد دین کو ہر قسم کی آزادی تھی۔ کوئی پابندی یا نگرانی جماعت کی طرف سے اس پر ہرگز نہ تھی۔ البتہ اس کی ماں اس کے حالات و عادات کی واقف و رازدار ہونے کی وجہ سے اس کی نقل و حرکت کی نگرانی عقلمندی و ہوشیاری سے ضرور کیا کرتی تھی۔ باقی بول چال گفت گو اور بات چیت کی اسے کسی سے بھی روک نہ تھی۔ لمبے عرصے تک رہنے کی وجہ سے نہ صرف مقامی لوگ اس سے واقف اور وہ ان سے آشنا ہو چکا تھا۔ بلکہ مضافات قادیان اور گورداسپور، بٹالہ وغیرہ کے لوگوں سے بھی اس کے تعلقات ہو چکے تھے۔ صحت جسمانی اس کی بہتر ہو رہی تھی بلکہ مطب میں رہ کر وہ طب کا مشتاق اور نسخہ جات کی تلاش و دھن میں رہنے لگا۔ اور اس طرح

وہ خود نیم حکیم تو ضرور بن گیا تھا۔

محمد دین کا قادیان سے فرار اور واپسی:-

ایک روز جون کے مہینہ میں کڑکتی دھوپ اور شدت دوپہر کے وقت جبکہ ہم دو تین آدمی موجودہ موٹر گیراج والے دالان میں جہاں اس زمانہ میں حضرت کا پریس ضیاء الاسلام نام ہوا کرتا تھا۔ دوپہر کی تلخی اور دھوپ کی حدت کاٹ رہے تھے، اچانک خلاف معمول، غیر متوقع طور پر مائی پھیلاں نہایت پریشان اور گھبراہٹ و اضطرار کی حالت میں آئی۔ اس کا اضطراب و درد کچھ ایسا تھا۔ کہ ہمارے دل رحم سے بھر گئے اور ہم اس کی طرف ہمہ تن گوش بن کر متوجہ ہوئے۔ وہ روتی جاتی تھی۔ اور بات کے ساتھ ساتھ جلد جلد اپنے دامن کو سنبھالتی جا رہی تھی۔ ایک کونہ کو پکڑتی اور چھوڑ دیتی پھر دوسرا پکڑ کر ٹٹولتی اور چھوڑ دیتی حتیٰ کہ تیسرے یا چوتھے کونہ کو ٹٹول کر اس نے گرہ کھولنی شروع کی۔ چونکہ وہ بیک وقت تین طرف متوجہ تھی (۱) گریہ وزاری آہ و بکا (۲) مصیبت کی کہانی کا بیان اور (۳) دامن کی گرہ کشائی اس وجہ سے ہمارے پلے تھوڑا ہی کچھ پڑا اور اس کی پوری بات ہماری سمجھ میں نہ آسکی۔ حتیٰ کہ گرہ سے کھول کر ایک اٹھنی اس نے اپنی انگلیوں میں تھامی اور بصد لجاجت ہم میں سے ہر ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ لے لو۔ اور میرے بیٹے کو کہیں سے پکڑ لاؤ۔ وہ بھاگ گیا ہے۔ بہت تلاش کی سر مارا، مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔ وہ گیا بٹالے۔ اگر کفرستان میں پہنچنے میں وہ کامیاب ہو گیا تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں زندہ ہی مر مٹوں گی وغیرہ۔

پھیلاں کی بات اب کچھ ہماری سمجھ میں آئی۔ مطلب اس کا سمجھ کر اسے حضرت کے حضور عرض کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ چنانچہ وہ دوڑی گئی۔ حضرت آرام فرما رہے تھے۔ اس کی تکلیف اور بیقراری کی تاب نہ لا کر حضور آپ بیقرار ہو کر کھڑے ہو گئے۔ مطلب پا کر حکم بھیجا۔

"فوراً جاؤ۔ محمد دین جہاں کہیں ملے پکڑ لاؤ۔"

اور خود اس کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ حوصلہ کرو۔ گھبراؤ نہیں۔ "یہ بیٹا تمہارا جا نہیں سکتا۔ آجائے گا۔" ہم لوگ حکم پاتے ہی کھڑے ہو گئے جو جس حال میں تھا بھاگ نکلا۔ کوئی سر سے ننگا بھاگا، کوئی پیر سے۔ ہر کسی کو یہی خیال تھا کہ وہ پیچھے نہ رہ جائے۔ گرمی کا خیال نہ دھوپ کی پرواہ۔ مارا مار کرتے ہوئے دوڑے تھوڑی دور ایک آگے لگتا اور کچھ دور جا کر دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اور اس طرح ادلتے بدلتے موڑ تک پہنچے۔ نہر پر پہنچے آخر وڈالہ بھی آگیا مگر محمد دین کا پتہ نہ لگا۔ حکم ہمارے آقا کا تھا اور قوت بھی ہمیں وہیں سے مل رہی تھی۔ تکان معلوم ہوئی نہ گرمی، بلکہ امید بھرے دل سے ہمارے قدم برابر آگے

ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور زمین ہمیں لپٹتی معلوم دے رہی تھی۔ امیر اس قافلہ کے مخدومی محترم بھائی عبدالرحیم صاحب اور شیخ عبدالعزیز صاحب (نومسلم) ایک صاحب چوہدری نورالدین نام اور خاکسار راقم عبدالرحمٰن قادیانی۔ یہ چار نام تو مجھے ایک اور ایک دو کی طرح یاد ہیں۔ ایک صاحب اور کے متعلق مجھے شبہ ہے مگر ان کا نام یاد آتا ہے نہ آتا پتا۔

پورے چھ میل کی سرگرم دوڑ کے بعد جبکہ ہم لوگ وڈالہ سے اس پار کی ریت کے بلند ٹیکوں پر پہنچے، امید کی شعاع اور جھلک ہمیں نظر آئی اور ایک مجسمہ کو ہم نے محمد دین فرض کر کے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ جوں جوں ہم اس بُت کے قریب ہوتے گئے ہمارا خیال یقین سے بدلتا گیا۔ حتیٰ کہ جب ہم پوری شناخت کی حدود میں داخل ہو کر حق الیقین تک پہنچ گئے اور محمد دین نے بھی تاڑ لیا کہ اب وہ پکڑا گیا۔ بھاگنے اور چھپ جانے کی کوئی راہ نہ پا کر سڑک چھوڑ کر ایک طرف ہو کر رفع حاجت کے طریق پر بیٹھ گیا۔ اور دیر تک بیٹھا رہا۔ غالباً اس کا گمان یہ تھا کہ ہم لوگوں نے اسے پہچانا نہیں اور اس طرح راستہ سے ایک طرف ہو کر گویا وہ ہم سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

ہم لوگ کنوئیں پر پہنچ کر رُک گئے جہاں ایک پختہ کمرہ کے علاوہ سڑک کے کنارے اور کنوئیں کے گرد توت کے چند سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے اور قادیان سے بٹالہ جانے والی سڑک کے بائیں جانب یہ مقام واقع ہے نام اس کا مجھے معلوم نہیں۔ موقعہ کے لحاظ سے یہ جگہ دیوانی مال کے تکیہ اور وڈالہ کے قریباً وسط میں واقع ہے۔ ہم نے میاں محمد دین کی انتظار کی مگر وہ اُٹھنے ہی میں نہ آئے۔ مجبور ہو کر خود حاضر ہو گئے اور عرض معروض کر کے اٹھایا جہاں وہ محض بہانہ بنائے بیٹھے تھے۔ بہت سخت کرخت بولے اور ہم سب کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ گالی گلوچ اور سب وشتم کے علاوہ دھمکیوں کا بھی انبار لگا دیا۔ مگر ہماری طرف سے نرمی، حکمت، منت، سماجت اور خوشامد درآمد کا سلوک پا کر آخر نرم تو ہو گئے مگر لوٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھنے پہ ضد اور اصرار رہا۔

بہزار منت و لجاجت، پیار سے، دلاسہ سے، نرمی سے، گرمی سے کہہ سُن کر مٹھی چاپی اور خدمت و حکمت سے واپسی پہ رضامند کیا۔ تو تکان کا عذر اور پیدل نہ چل سکنے کا بہانہ بنا کر بیٹھ رہا۔ ٹالنے اور وقت گذارنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور اس دوران میں ہم نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بار بار بٹالہ کی طرف اٹھتی تھیں جیسے کسی کی انتظار ہو۔ اس خطرہ کو بھانپ کر ہم نے اسے پیٹھ پر اٹھایا، کہیں پیدل چلایا۔ ایک چادر کے کونے پکڑ کر اس کے لئے سایہ اور دھوپ سے بچاؤ کا انتظام کیا اور اس طرح بصد مشکل اس کو وڈالہ تک لے چلے۔ پیچھے مُڑ کر جو کسی نے دیکھا تو ایک یکہ آتا دکھائی دیا۔ جس

کو دیکھ کر بیم و رجا اور خوف و امید یکجا جمع ہوگئیں۔ خطرہ یہ تھا کہ بٹالہ مشن کے ساتھ اس کی سازباز تھی۔ مبادا وہی لوگ اس کی تلاش اور استقبال کو آتے ہوں۔ کیونکہ اس کے بھاگ نکلنے کا طریق وضع اور ہیئت ترکیبی کسی منصوبہ و سازش کا پتہ بتا رہی تھیں۔ اسی کشمکش میں وہ یکہ قریب ہوا اور خدا کے فضل سے ہماری امید خطرہ پر غالب ہوئی۔ یکہ میں بمشکل ایک سواری کی گنجائش تھی۔ میاں محمد دین کو اس میں بٹھایا مگر چونکہ وہ لوٹنے پر رضامند نہ تھا اچھی طرح جم کر بیٹھتا نہ مضبوطی سے پکڑتا تھا۔ خطرہ اس کے گر کر چوٹ کھانے کا تھا۔ جس کی اس میں تاب بھی نہ سکت۔ ناچار یکہ والے کو کہہ سن کر ایک کو اس کے ساتھ بیٹھایا تا محمد دین کو تھامے رہے اور باقی پیدل یکہ کے ہمراہ خدا کے فضل سے کامیاب و بامراد خوش و خرم لوٹے۔ قادیان پہنچے۔ ماں اس کی راہیں تکتی انتظار میں تھی۔ خدا کا شکر بجالائی اور دوڑ کر حضرت کے حضور اس کی واپسی کی اطلاع اور خوشی کا مژدہ سنایا۔ حضور پُر نور خوش ہوئے۔ دعائیں دیں اور محمد دین کے ساتھ زیادہ نیک اور زیادہ محبت کے سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ محمد دین کو ملامت کی نہ کچھ جتایا۔ فرمایا تو صرف یہ کہ

"آپ کو اگر سیر کا خیال تھا تو ہم سے کہتے ہم خود اس کا انتظام کر دیتے۔ آپ نے بے فائدہ تکلیف پائی اور زحمت اٹھائی۔ ماں کی تکلیف کا بھی آپ کو خیال نہ آیا وغیرہ"۔

اس طرح پھر سے ایک مرتبہ خدا نے محمد دین کو گویا کفر کے غار سے بچا کر دارالامان پہنچا دیا۔ اور وہ اچھی طرح رہنے لگا۔

محمد دین کا قبول حق :-

خدا کے فضل نے جوش مارا، رحمت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ حضرت کی توجہات مقبول ہوئیں۔ دم مسیحائی میں تاثیر آئی۔ اس روحانی مُردے کی زندگی کے سامان ہونے لگے۔ اس کی طبیعت نے پلٹا کھایا۔ کفر کا زنگ اور شرک کی مَیل دُھلنے لگی۔ اور ہوتے ہوتے آخر خدا نے وہ دن دکھا دیا جب کلام ربّانی

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

کی تاثیر نے اپنا اثر دکھایا، محمد دین کے دل کے جذبے کھُل گئے۔ خدا کے فرشتوں نے اس کے سینے کو چاک کر کے غلاظت نکال کر ایمان کا نُور بھر دیا۔ اور اس نے صدق دل اور انشراح صدر سے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا کلمہ پڑھ کر کفر سے بیزاری اور اسلام کا اعلان کر دیا۔

پھیلاں نے سجدات شکر کئے اور خدا کی حمد کے گیت گائے۔ ہر طرف سے مبارک صد مبارک کی صدائیں

باقی صفحہ ۴۰ پر

اعلانات

واقفینِ زندگی کی اشد ضرورت ہے

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ ۳۔اپریل ۱۹۸۷ء میں فرماتے ہیں:

"دوست یاد رکھیں کہ وقفِ زندگی دراصل سنتِ انبیاء ہے۔ انبیاء کے بچوں سے زیادہ دنیا میں اور کوئی معزز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بچے اس عاجزی سے وقف کئے ہیں۔ اسی طرح گریہ زاری کے ساتھ دعا کرتے ہوئے اور روتے ہوئے وقف کئے ہیں کہ انسان ان کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

احمدیت کی اگلی صدی میں واقفین زندگی کی اشد ضرورت ہے۔ جماعت کے ہر طبقہ سے لکھوکھہا کی تعداد میں واقفین زندگی آنے چاہئیں۔ جن کو دراصل ہم خدا کے حضور اس نیت کے ساتھ تحفہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں کہ ان کی صلاحیتوں سے بعد ازاں اگلی صدی کے لوگوں نے فائدہ اٹھانا ہے۔

تو یہ ایک تحفہ ہے جو ہم نے اگلی صدی کو دینا ہے۔ اس لئے جن کو بھی توفیق ملے وہ اس تحفہ کے لئے تیار ہو جائیں۔"

جن والدین کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے ان سے درخواست ہے کہ وہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے تحت اپنے بچے وقف کے لئے پیش کریں۔ نیز جن والدین کے وقف زندگی بچوں نے امسال میٹرک کا امتحان دیا ہے وہ بھی جلد اطلاع دیں تاکہ ان کے بچوں سے براہ راست بھی خط و کتابت کی جائے۔ (وکیل الدیوان۔ تحریک جدید۔ ربوہ)

ضروری اعلان:

تمام ایسے احباب جنہوں نے اپنے بچوں کو وقفِ نو کے تحت وقف کیا ہوا ہے انکی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر وقف نو کا فارم پُر کرنے کے بعد ان کا پتہ تبدیل ہو گیا ہو تو فوری طور پر شعبہ وقفِ نو مرکزیہ (لندن) کو اطلاع بھجوائیں۔ اطلاع دیتے وقت "حوالہ نمبر وقفِ نو" ضرور تحریر کریں تاکہ ریکارڈ تلاش کرنے میں آسانی رہے۔ مرکزی ریکارڈ میں اندراج ہونا بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر مکمل پتہ ضرور درج ہونا چاہیئے اور جب بھی پتہ تبدیل ہو اسکی اطلاع ضرور دی جانی چاہیئے۔ اطلاع بھجوانے کا پتہ:

INCHARGE WAQFE NAU, (CENTRAL) :
16 GRESSENHALL ROAD LONDON
SW 18 5QL UNITED KIGDOM

(انچارج تحریک وقف نو۔ مرکزیہ) لندن

بقیہ: مبارک وہ جواب ایمان لایا

تشریف لاتے..... اور نمازہ ہمارے ساتھ ادا کر کے اندر تشریف لے جاتے۔ وہاں مرزا اعظم بیگ ہوشیار پوری مہتمم بندوبست تھا۔ وہ میرا واقف تھا۔ میں اُن سے ملنے گیا۔ اس نے پوچھا۔ مولوی صاحب آپ کیسے آئے تو میں نے کہا حضرت صاحب کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کون سے مرزا صاحب۔ میں نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی۔ اس نے کہا کہ آدمی تو بہت اچھا تھا۔ لیکن خراب ہوگیا۔ میں نے کہا کس طرح۔ اس نے کہا کہ بچپن کی حالت میں یہ لڑکوں سے کھیلا نہیں کرتا تھا۔ اس کا والد اس پہ ناراض ہی رہتا تھا۔ کہ تم باہر نہیں نکلتے میں نے کہا الحمد للہ۔ اس نے کہا الحمد للہ کا کون سا موقعہ ہے۔ میں نے کہا جس زمانہ کا میں واقف نہیں تھا۔ اس کے متعلق تم نے شہادت دے دی کہ آپ بچپن میں ہی نیک تھے اور موجودہ حالت میں نے خود دیکھ لی ہے......."

(غیر مطبوعہ روایات از رجسٹر روایات نمبر ۳)

بقیہ: قبول حق کی ایک ایمان افروز داستان

بلند ہوئیں... روحانی مُردوں کے زندہ ہونے کا مطلب اور یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ کی عملی تفسیر اور زندہ نمونہ آنکھوں نے دیکھ لیا۔

(احمدی) ہو کر بھی ماں بیٹا کچھ دن رہے۔ محمد دین نماز پڑھتا اور مسلمانی اعمال بجالاتا رہا۔ اور وہ اب دل سے (احمدی) تھا۔

آنحضرت کی اجازت سے بھیلاں اسے اپنے وطن لے گئی۔ وہاں بھی وہ (احمدی) ہی تھا۔ عیسائی پادری اب اس سے مایوس ہو چکے تھے۔ کیونکہ وہ قادیان سے روحانی زندگی اور ایمان کا نور پا چکا تھا۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ وہ خوش و خرم رہا۔ آخر بیماری نے پھر زور پکڑا۔ غلبہ کیا اور چند روز کی بیماری کے بعد وہ بحالت (ایمان) اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بعد میں میرے نسبتی بھائی بنے۔ اس طرح مجھے قصبہ ڈنگہ سے ایک تعلق و رشتہ ہو گیا۔ بھیلاں اور اس کا لڑکا بھی چونکہ میرے ان بزرگوں کے پڑوسی تھے۔ اس وجہ سے ان حالات کا تفصیلی علم ہوا جسے میں نے امانت سمجھ کر پہنچا دینا ضروری سمجھ کر لکھ دیا ہے۔

(اصحاب احمد جلد نہم ص۲۷۳ تا ص۲۹۱)

قبولیت دعا کیلئے اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نام سے دُعا

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ الطَّاھِرِ الطَّیِّبِ الْمُبَارَكِ الْاَحَبِّ اِلَیْكَ الَّذِیْ اِذَا دُعِیْتَ بِهٖ اَجَبْتَ وَاِذَا سُئِلْتَ بِهٖ اَعْطَیْتَ وَاِذَا اسْتُرْحِمْتَ بِهٖ رَحِمْتَ وَاِذَا اسْتُفْرِجْتَ بِهٖ فَرَجْتَ ۔ (سنن ابن ماجہ)

ترجمہ: اے اللہ! تجھے تیرے طاہر اور طیب، مبارک سب سے پیارے نام کا واسطہ کہ جب یہ نام لے کر تجھے پکارا جائے تو تو دُعا قبول کرتا ہے ـــــ اور جب اس نام کے ساتھ تجھ سے مانگا جاتا ہے۔ تو تو عطا کرتا ہے اور جب اس نام کے ساتھ تجھ سے رحمت طلب کی جاتی ہے تو تُو رحم فرماتا ہے اور جب اس نام کے واسطہ سے تجھ سے مشکل کشائی کے لئے درخواست کی جاتی ہے تو تُو مشکل دُور فرماتا ہے۔

بقیہ: حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب

"یہ کفر اور یہ اخراج عن الاسلام حیرت انگیز ہے ..... کاش یہ (جذبہ) جو شعر مندرجہ عنوان میں بتایا گیا ہے۔ ساری دنیا میں پھیل جائے۔" (الحکم کراچی ۷/۱۴ جون ۱۹۵۴ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد کے حضرت اقدس سے تعلق محبت و عقیدت اور احمدیت کے بارے میں قدرے تفصیل اس لئے دی گئی ہے کہ بعض احمدیت کے مخالفوں نے اپنے فریب کارانہ خود تراشیدہ قیاسات سے وساوس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ ماہنامہ "نیرنگ خیال" کے جوبلی نمبر کے مضمون نگار نے بھی بعض دور از کار من گھڑت قیاسی باتیں پیش کی ہیں جس سے اس عظیم تعلقِ محبت کی عظمت و صداقت مشتبہ ہوتی ہے۔

(باقی آئندہ)

"نرم کلامی، ادب و احترام کیساتھ ایک دوسرے سے سلوک یہ بہت ہی ضروری ہے"

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگوں کو نرم خوئی کے ساتھ کلام کرنا نہیں آتا۔ ان کی زبان میں درشتگی پائی جاتی ہے۔ ان کی باتوں اور طرز میں تکلیف دینے کا ایک رجحان پایا جاتا ہے۔ جس سے بسا اوقات وہ باخبر ہی نہیں ہوتے۔ جس طرح کانٹے دُکھ دیتے ہیں اور ان کو پتہ نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ رُوحانی طور پر سُوکھ کر کانٹے بن جاتے ہیں۔ اور ان کی روزمرّہ کی باتیں چاروں طرف دُکھ بکھیر رہی ہوتی ہیں تکلیف دے رہی ہوتی ہیں۔ اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ایسے اگر مرد ہوں تو ان کی عورتیں بے چاری ظلموں کا نشانہ بنی رہتی ہیں۔ اور اگر عورتیں ہوں تو مردوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ یہ بات بھی ایسی ہی ہے جس کو بچپن سے ہی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے...

اگر بچپن سے ہی تربیت دے دی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی آسانی کے ساتھ یہ کام ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب یہ اخلاق زندگی کا جزو بن چکے ہوں۔ جب ایسے بچے بڑے ہو جائیں تو.....

ان بچوں کی تربیت کرنا بڑا مشکل کام ہے اور ہم نے جو تربیت کے بڑے بڑے کام کرنے ہیں وہ ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر ابتدائی طور پر یہ مادہ تیار نہ ہو۔ مادہ تیار ہو تو پھر اس کے اوپر جتنا کام آپ کرنا چاہیں جتنا اس کو سجانا چاہیں اتنا ہی اس کو سجا سکتے ہیں۔ لیکن وہ مٹّی ہی نرم نہ ہو اور اس کے اندر ڈھلنے کی طاقت نہ ہو تو پھر کیسا بڑا صنّاع کیوں نہ ہو وہ اُس مٹّی کو خوبصورت شکلوں میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ پس اس پہلو سے نرم کلامی ادب و احترام کے ساتھ ایک دوسرے سے سلوک کرنا یہ بہت ہی ضروری ہے۔ بڑے بڑے خطرناک جھگڑے اس صورتِ حال کی طرف توجہ نہ دینے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ مجھ تک ساری دنیا سے مختلف نزاع کبھی بالواسطہ کبھی بلاواسطہ پہنچتے رہتے ہیں۔ اس لئے مَیں نے محسوس کیا ہے کہ جب تک بچپن سے اپنی اولاد کو زبان کا ادب نہیں سکھاتے اس وقت تک آئندہ بڑے ہو کر قوم میں ان کے کردار کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔"

(از خطبہ جمعہ ۲۴۔ نومبر ۱۹۸۹ء)